آدم کی کہانی خدا کی زبانی

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
(اقبالؔ)

ڈاکٹر احسان اللہ خان

پہلی بار ۱۹۸۲ء
طباعت جمال پریس دہلی
تعدادِ اشاعت پانچ سو

قیمت

بیرونِ ملک دس امریکی ڈالر

اندرونِ ملک
مجلد تیس روپے
غیر مجلد بیس روپے

ناشر

بیت الحکمۃ

۱-۸-۵، سیکٹر ۱۳۔ آر۔ کے پرم نئی دہلی ۶۶

تعارف

گورکھپور جارج اسلامیہ انٹر کالج سے ہائی اسکول کرنے کے بعد علی گڑھ سے (.B.Sc) اور بنارس سے (.M.Sc) کیا۔ چندی گڑھ یونیورسٹی میں تقریباً آٹھ سال تک رہے جہاں سے (.Ph. D) کیا اور لکچرر اور ریڈر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ مغربی یورپی ممالک کناڈا اور امریکہ کی کئی یونیورسٹیوں میں کام کیا اور وہاں کے ممتاز سائنسدانوں سے تبادلہ خیالات بھی کیا۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد تقریباً دو سال تک علی گڑھ یونیورسٹی میں رہے۔ اسی دوران کچھ مضامین لکھے گئے اور وہاں کے ادبی اور علمی حلقوں میں پڑھے گئے، جو بعد میں کتابی شکل میں 'سائنس، اور اجتہاد' کے نام سے شائع ہوئی۔ موجودہ کتاب کا مسودہ دہلی، علی گڑھ اور حیدرآباد کے علمی حضرات نے دیکھا اور اپنی رائے دی۔ اس کے قبل ان کی دو اور کتابیں سماج پر سائنس کے اثرات اور مذہب و سائنس شائع ہو چکی ہیں فی الحال انڈین کونسل آف اگریکلچرل ریسرچ میں تقریباً دس سال سے سینیر سائنٹسٹ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ جدید علوم کے ساتھ ساتھ مذہبی اور دینی علوم سے آشنا۔ اور عربی سے واقفیت رکھتے ہیں۔

فہرست ابواب

مقدمہ

اس کے قبل میں نے اپنی پہلی دو کتابوں (سائنس اور اجتہاد، سماج پر سائنس کے اثرات) میں سائنٹفک شواہد سے یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ جو قومیں اپنے بنیادی اصولوں کو برقرار رکھتے ہوئے اپنا سماجی ڈھانچہ اور طرز معاشرت بدلے ہوئے زمانے کے مطابق نہیں بدلتی رہتی ہیں وہ یا تو بے اثر ہو جاتی ہیں یا ترقی یافتہ قوم کی غلام ہو جاتی ہیں لہٰذا یہ فطری قانون معلوم ہوتا ہے کہ ماحول میں جمود پیدا نہ ہونے پائے اور باعمل قومیں خلافت کی حقدار ہوتی رہیں۔

موجودہ کتاب میں میں نے چند سائنٹفک شواہد فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ چند قدیم تاریخی شواہد بھی جمع کیا ہے۔ تاکہ قارئین کے سامنے دونوں طرز کے مواد فراہم ہو سکے۔ اور ان کی بنا پر وہ ترقی یافتہ قوموں کی خوبیوں اور غیر ترقی یافتہ قوموں کی خرابیوں سے صحیح طور پر واقف ہو سکیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشیں ہو سکے کہ جمود اور زمانے سے بے نیاز ہو کر اسلاف کے اقوال اور اعمال کی احیار کی کوشش کی گئی ہے کہ جفاکشی ایمانداری اور انصاف پسندی ترقی کے لئے لازمی اجزاء ہیں

کیونکہ یہ ایسی اقدار ہیں جو زمانہ قدیم کے ترقی یافتہ قوموں میں پائی جاتی رہی ہیں۔ اور جدید ترقی یافتہ قوموں میں بھی عام ہیں اس کے برخلاف ان قدروں کا غیر ترقی یافتہ قوموں میں عام فقدان ہوتا ہے۔ ان قوموں کے امراء غرباء پر ظلم و زیادتی کر کے اپنے تعیش کا سامان فراہم کرتے ہیں جس کے خلاف ہر مصلح قوم نے آواز بلند کی ہے۔

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو
"اقبالؒ"

یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ جب توحید کا تصور مقبول ہوا تو ہندوستان ایسے ملک میں جہاں سینکڑوں دیوی دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی وہاں پر پجاریوں کے خاندان کے ایک فرد جس کو سرسوتی سوامی دیانند سے یاد کیا جاتا ہے ہندوستان میں توحید کی جرأت مندانہ اشاعت کیلئے اٹھ کھڑا ہوا اور تقریباً نصف صدی تک دیوی دیوتاؤں کے پجاریوں کے خلاف جنگ کرتا رہا۔ اور بہت حد تک کامیاب رہا۔

یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کسی سماجی نظام کی اچھائی یا برائی زیادہ تر ان افراد پر موقوف ہے جو ان کو عملی جامہ پہنانے ہیں مثلاً سرمایہ دارانہ جمہوری نظام جب ایک ترقی یافتہ ملک اختیار کرتا ہے تو یہ نظام عوام اور خواص، دونوں کے لئے باعث رحمت ثابت ہوتا ہے اور جب اسی نظام کو ایک غیر ترقی یافتہ ملک اپناتا ہے تو عوام کے لئے ظلم و زیادتی کا موجب بنتا ہے۔ اور خواص کے لئے تعیش کا سامان فراہم کرتا ہے اسی طرح اسلامی نظام جس کی تعریف میں مسلمانوں کے حلق خشک ہو ہو جاتے ہیں جب بدکردار جاہل اور مغرور افراد اس کے رہنما بنتے ہیں تو اسلامی نظام دنیا کا بدترین نظام کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ اس کے برخلاف یہودیت جس کی برائی بیان کرنے میں مسلمان کبھی تھکتے نہیں۔ جب باکردار با عمل افراد اس کی

رہنمائی سنبھالتے ہیں تو ان کے للکارسے پوری مسلم دنیا خوف سے لرز اٹھتی ہے۔
اور بدکردار مسلم رہنماؤں کے اشاروں پر ان کی، باکردار یہودی رہنماؤں کے مقابلے میں خدا سے کامیابی کی دعائیں کی جاتی ہیں بجائے اس کے کہ ان بدکردار مسلم رہنماؤں کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے ان کو اسی دنیا میں ان کے بدکرداری کا بدلہ دیں اور باکردار مسلمانوں کو اسلام کا رہنما بنائیں۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
"اقبال"

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطان کے گنبد پر
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۸۲ء

احسان اللہ خاں

آدم کی کہانی خدا کی زبانی

دیباچہ

خدا نے تمام عالم اور اس کی تمام اشیاء کو کس طرح پیدا کیا۔ اس کے متعلق مختلف مذاہب کے رہنماؤں نے اپنے زمانے کی انسانی علمی حیثیت کے لحاظ سے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ یہی مختلف رائیں لوگوں میں عام ہیں مگر سائنسدانوں نے ان آراء کو قبول نہیں کیا بلکہ اپنے تجربے اور مشاہدے کرتے رہے تاکہ قانون قدرت کو صحیح طور پر سمجھ سکیں لیکن زمانہ دراز تک ان کے تجربوں اور مشاہدوں سے حاصل شدہ نتائج کو زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکی بلکہ مذہبی نقطۂ نظر ہی غالب رہا۔ لیکن انیسویں صدی کے وسط سے جب سائنسدانوں کا مقام مذہبی علماء کے مقابلے میں بلند ہو گیا تو ان کے تجربے اور مشاہدے کی

---

[1] وجہ تسمیہ:۔ انسانی زندگی اور سماج ارتقاء کے کن منزلوں سے گزرا ہے اب یہ کوئی سربستہ راز نہیں ہے۔ سائنسی دریافتوں اور چھان بین کی مدد سے جو کہانی بیان کی گئی ہے وہ محض داستان سرائی نہیں ہے۔ بلکہ مستند آثار انسانیات (Archaeology) اور ارضیات (Geology)

حیثیت بھی برتر مانی جانے لگی۔ ان کے تجربے اور مشاہدے اس وقت تک قانون فطرت کو سمجھنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے آئندہ سطور میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ دنیا کی کہانی کس طرح شروع ہوگی۔

کے ماہرین کے برسوں کے مشاہدے اور ریاضت پر مبنی ہے۔

مسلم ممالک میں یہ غلط فہمی عام ہوگئی ہے کہ سائنس اور مذہب میں بیر ہے سائنس کی بنیاد عقل پر ہے اور عقیدے کی اعتقاد پر۔ سائنس میں ہر چیز مشتبہ ہے اور عقیدے میں ہر چیز مسلّمہ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے مذہب اور خصوصاً اسلام نے عقل اور اجتہاد پر بے حد زور دیا ہے قرآن نے متعدد بار تاکید کی ہے۔ کہ عقل سے کام لو مگر ہر تہذیب اور مذہب کی طرح اسلام قوانین کی روح بھی امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ کمزور ہوگئی اور یہ امت روایت میں کھو گئی۔

سائنس اور عقل خدا کی ودیعت کردہ سب سے بڑی قوت ہے اس کے بغیر اس کو اشرف المخلوقات نہیں کہا جا سکتا۔ اسی لئے میں نے اس کتاب کا نام آدم کی کہانی خدا کی زبانی رکھا ہے کیونکہ سائنس اور عقل کی ترقی خدا کا مقصد ہے۔ بے عقل اور بے شعور انسان خالق کا شاہکار نہیں ہو سکتا تھا۔

عالمی ارتقاء

ابتدا میں کچھ نہ تھا محض گیس کا ڈھیر تھا جو مجموعی طور سے ہائیڈروجن تھی مگر اس میں ہیلیم کے کچھ اجزاء شامل تھے۔ یہ گیس کا گولا دھیرے دھیرے اپنے محور کے گرد گھوم رہا تھا بعد میں یہ کئی حصوں میں تقسیم ہوگیا اور ہر حصہ پھر ایک کہکشاں (Galaxy) کی شکل اختیار کر گیا جو ایک دوسرے سے دور ہوتے جارہے ہیں جب یہ ایک دوسرے کے قریب ہونے شروع ہوں گے تو گرمی بڑھے گی اور ایک ساتھ ملنے کی صورت میں تمام عالم پھر گیس میں بدل جائے گا

ہر کہکشاں میں پھر مختلف حصے ہوئے اور ہر بڑے حصے نے ستارے (Star) کی حیثیت اختیار کرلی۔ اس کے بعد گیس رقیق کی شکل اختیار کرنے لگی اور اس کے ساتھ ساتھ ستاروں میں چمک اور روشنی پیدا ہونے لگی اس طرح کشش کی قوت گرمی کی قوت میں تبدیل ہوگئی پھر ہائیڈروجن ہیلیم میں تبدیل ہو کر کاربن اور آکسیجن میں تبدیل ہوئی اور بالکل آخر میں دھات جیسی اشیاء میں تبدیل ہوگئی۔

ابتدا میں ہر بڑا ستارہ ایک سدیم (Nebula) کی شکل میں تھا جس کے مرکزی حصے نے جم کر سورج کی حیثیت اختیار کرلی اور

اس کے باہری والے حصے سیاروں (Planets) میں تبدیل ہو گئے جو سورج کے گرد گھومنے لگے اس طرح ہمارا سورج اور ہماری زمین وجود میں آئی۔ علاوہ ازیں گیس کے جو حصے الگ رہ گئے اور کسی سدیم میں شامل نہ ہو سکے وہ جم کر سدیموں کے درمیان معلق ہو گئے۔

ہر کہکشاں اپنے مرکز کے گرد گھومتی ہے لہٰذا ہر سورج اپنے سیاروں کے ساتھ اس مرکز کے گرد چکر لگاتا ہے۔ ہمارا سورج اپنے مدار پر ڈیڑھ سو میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتا ہے اور ایک چکر پورا کرنے میں اس کو ڈھائی سو بیس بلین سال لگتے ہیں۔ علاوہ ازیں سورج اپنے محور کے گرد پچیس دن میں ایک چکر لگاتا ہے۔

اس بات کے امکانات ہیں کہ ہماری کہکشاں میں تقریباً پچاس بلین (ایک بلین = دس کھرب) ستارے ایسے ہو سکتے ہیں جن میں ہماری جیسی زمین موجود ہو جہاں پر سرسبزی و شادابی جانور اور انسان موجود ہوں۔ اسی طرح سے دوسری کہکشاؤں میں بھی زندگی کے امکانات موجود ہیں۔

زمین کے علاوہ جو دو سیارے سورج کے قریب ہیں وہ اتنے گرم ہیں کہ ان میں زندگی کے امکانات نہیں ہیں اور دوسرے چھ سیارے جو زمین کے مقابلے میں سورج سے دور ہیں وہ اتنے سرد ہیں کہ ان میں بھی زندگی کے امکانات نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں ان نو سیاروں کے جو چاند ہیں ان کی ساخت اتنی چھوٹی ہے کہ وہاں پر زندگی کے سامان مہیا نہیں ہیں۔ لہٰذا ان میں بھی زندگی کے امکانات نہیں ہیں۔

قدرتی ریڈیائی عمل سے یہ حساب لگایا جا سکتا ہے کہ زمین کی عمر تقریباً ساڑھے چار بلین سال ہے۔ [1]

سالماتی ارتقاء

مندرجہ بالا تحریر سے اندازہ ہوا ہو گا کہ ہماری زمین کس طرح پیدا کی گئی۔
اب یہ ہم جائزہ لیں گے کہ زمین پر سالماتی ارتقاء کس طرح ہوا اور جاندار کس طرح
پیدا کیا گیا۔

اس میدان میں بہت سے کیمیائی سائنسدانوں نے کام کیا اور ان میں
پاسچر (Pasteur)، اوپیرن (Oparin) فاکس (Fox)
اور میلر (Miller) کافی مشہور ہیں۔

زہرہ (Venus 1956) کی کرۂ ہوا (Atmosphere)
کے مطالعہ سے خون (Kuhn 1956) نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہماری زمین کا کرۂ ہوا
بھی ابتدا میں ایسا رہا ہو گا لہٰذا اس میں امونیہ (Ammonia)، میتھین
(Methane) ہائیڈروجن (Hydrogen) اور پانی کے بخارات
(Water vapour) رہے ہوں گے۔ جن پر سورج کی سخت

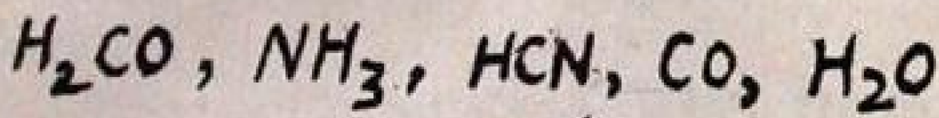
گرمی کے ساتھ ساتھ جو تقریباً پانچ سو ڈگری تک تھی اس کی طاقت ور کرنیں پڑ رہی تھیں جس کے نتیجے میں ان میں تبدیلی آئی ہوگی۔ انہیں حقائق کی روشنی میں مختلف کیمیائی سائنسدانوں نے اپنے تجربہ گاہوں میں تجربے شروع کر دیئے جو حسب ذیل ہیں۔

میلر اور میک نیون[۳] (Miller & Mc Nevin, 1953) نے ایک خاص قسم کا آلہ تیار کیا اور اس میں امونیہ میتھین۔ ہائیڈروجن اور پانی کے بخارات کو رکھا پھر اس میں بجلی داخل کی جب ایک ہفتہ کے بعد دیکھا تو اس میں امینو ایسڈ (Amino acid) تیار ہو گیا تھا۔

روسی سائنسدان اوپیرن[۴] (Oparin, 1966) نے میلر کے طرز پر کچھ تجربے کیے جس کے نتیجے میں انھوں نے اس کا مشاہدہ کیا کہ چند حالات میں لحمیہ (Protein) کے قطرے بیکٹیریا (Bacteria) کے طرز پر ذاتی طور پر تقسیم (Fission) ہوتے ہیں جس طرح ایک بیکٹیریا سے تقسیم کی بنا پر کئی بیکٹیریا بن جاتے ہیں مگر یہ اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ آنکھ سے دکھائی نہیں دیتے ہیں بلکہ خورد بین (Microscope) کے ذریعہ ان کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے

فاکس[۵] (Fox - 1966) اور ینگ[۶] (Young 1965) نے تجربے کر کے لحمیہ قسم کے مائیکرو اسفیئر (Proteinoid microsphere) تیار کیے، جو آنکھ سے نہیں دیکھے جاسکتے تھے مگر آلہ سے یہ مشاہدہ کیا گیا کہ یہ گول ہوتے ہیں ان کا قطر ہمیشہ ایک سا ہوتا ہے اور ان کی بہت سی خصوصیات کوکیڈ بیکٹیریا (Coccoid bacteria) سے ملتی ہیں۔ لہذا یہ روسی سائنسدان سے بہتر تجربہ ثابت ہوا اور یہ بھی ابتدائی سلیمہ سے یاد کیا جاتا ہے

اگرچہ ان کا شطری انقسام (Binary fission) زیادہ واضح ہوتا ہے
جو ابتدائی جانداروں میں افزائش نسل کا ذریعہ ہے علاوہ ازیں ان میں شگوفہ
(Budding) کھلنے کی بھی خصوصیت پائی جاتی ہے یہ ابتدائی
سلمیہ ابتداء میں اپنے ضرورت کے تمام اجزاء گرد و نواح سے حاصل کرتے رہے
پھر دھیرے دھیرے ان میں حالات کے دباؤ سے اپنے اندر ہی کچھ ضرورت
کے اجزاء پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا ہونے لگتی ہے اور بالآخر اپنے ضرورت
کے تمام اجزا خود پیدا کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح ابتدائی سلمیہ مکمل سلمیہ میں تبدیل ہو جاتا
ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔



H_2CO, NH_3, HCN, CO, H_2O

کہکشاں

بدلے ہوئے اجزاء
زمین
گرمی وغیرہ
ابتدائی امینو ایسڈ
پانی
امینو ایسڈ
گرمی
ازقسم لحمیہ
پانی
ابتدائی سلمیہ

بدلے ہوئے اجزاء
چاند
گرمی وغیرہ
ابتدائی امینو ایسڈ
✗

اب اندازہ ہو گا کہ ابتدا میں غیر نامیاتی ، کیمیائی مرکب (Inorganic compound) ہی ہماری زمین کے کرۂ ہوا میں موجود تھے جو دھیرے دھیرے نامیاتی کیمیائی مرکب (Organic compound) میں تبدیل ہوئے اور یہ ابتدائی نامیاتی کیمیائی مرکب شروع میں ابتدائی سلمیہ کی شکل میں نمودار ہوئے اس طرح زندگی کی پہلی جھلک سامنے آئی جو بعد میں مکمل زندگی کی شکل میں تبدیل ہوگئی اور آخر میں انسانی شکل میں بدل گئی یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ روح قوت تو ابتدا میں غیر نامیاتی تھی وہ دھیرے دھیرے زندگی کی شکل میں تبدیل ہوئی ۔ اس تبدیلی میں کتنا عرصہ لگا اس کو معلوم کرنے کے لئے علم ارضیات سے کافی مواد فراہم ہوتا ہے جو حسب ذیل ہیں ۔

ابتدا میں ہماری زمین جب گیس کی حالت سے تبدیل ہو کر تقریباً ساڑھے چار بلین سال قبل ٹھوس حالت میں آئی تو مسلسل بارش اور گرمی کی وجہ سے اس کے اوپری حصے متاثر ہونے لگے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پانی کے ساتھ بہہ کر سمندر میں جمع ہونے لگے ۔ اس طرح زمین کے ٹھوس حالت میں آنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد سمندری تہیں جمنے لگیں ۔ علاوہ ازیں ان کے ساتھ ساتھ ہر دور کے کیمیائی مرکب بھی ان کے ساتھ دفن ہوتے رہے اس طرح کیمیائی ارتقار کی پوری تاریخ سمندر کی تہوں میں محفوظ ہوگئی مگر یہ سمندر کی تہیں زمین کے نشیب و فراز کے اثرات سے اکثر متاثر ہوتی رہیں جس کی وجہ سے ان میں بھی تبدیلیاں آئیں اور محفوظ تاریخ کے اوراق پارہ پارہ ہو گئے ۔ مگر اب تک

کی تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ چند مقامات پر تاریخ کے اوراق اپنی اصلی حالت میں محفوظ رہ گئے ہیں اگرچہ ایسے مقامات اور بھی ہو سکتے ہیں جو بعد میں معلوم ہو سکتے ہیں بہرحال ان کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔

جنوبی افریقہ میں جو 3.2 بلین سال قدیم سمندری تہیں اپنے اصلی حالت میں محفوظ ہیں وہ انورواچ سیریز کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔ ان تہوں میں طحلب جیسے احافیر ملتے ہیں جو غیر نامیاتی کیمیائی مرکب بھی ہو سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں 3.1 بلین سال قدیم تہیں جو فگ ٹری سیریز (Figtree series) کے نام سے مشہور ہیں اور یہ تقریباً دس ہزار میٹر پہلی تہوں سے اوپر ہیں ان میں سے بارغورن اور اسکاپف[۱۵] (Barghoorn & Schopf 1966) نے بیکٹیریا جیسے احافیر دریافت کئے جن کا انھوں نے اوبیکٹیریم اسولیٹم (Eobacterium - isolatum) نام دیا۔ ان احافیر کو آلہ سے مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے سلمیہ دیوار (Cell wall) میں دو تہیں ہیں جیسا کہ لحمیہ جیسے مائیکرو اسفیر (Proteinoid microspheres) میں ہوتے ہیں اور جاندار نہیں ہیں ہوئرنگ اور کالون[۱۶] (Hoering & Calvin)

فگ ٹری سیریز سے ۰.۰۴ بلین سال جدید تہیں جنوبی روڈیشیا میں دریافت ہوئی جن میں اسٹرومیٹولائٹس (Stromatolites) کے آثار ملے جو طحلب (Algae) سے مشابہ ہیں۔ لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ تقریباً 2.7 بلین سال قبل سے جاندار کے احافیر ملنے شروع ہو جاتے ہیں اور اس کے قبل کے جو آثار ہیں وہ غیر نامیاتی یا نامیاتی کیمیائی ہیں[۱۷] (Hoering 1962)

تقریباً ۱.۹ بلین سال قدیم لیک سوپیریز (Lake superior) کی گنفلنٹ (Gunflint) تہوں سے طحلب (Algae) کے احافیر کثیر تعداد میں

ملنے شروع ہو جاتے ہیں[۱۰] (Barghoorn & Tyler) علاوہ ازیں ۱۰۱ بلین سال قدیم مونٹینا بلٹ سیریز (Belt series of Montana) کی تہوں سے قدیم حیوانات اور نباتات کے احافیر کثیر تعداد میں دریافت کیے جا چکے ہیں[۱۱] - Pflug (۱۹۶۶, ۱۹۶۵, ۱۹۶۷) اس طرح علم ارضیات کے ذریعہ یہ حقیقت یقینی طور سے معلوم ہو گئی کہ ہماری زمین پر زندگی (Life) کی ابتدا تقریباً ۲۰۷ بلین سال سے شروع ہو جاتی ہے جو یقینی طور پر کیمیائی ارتقاء کے بعد وجود میں آئی۔ اس طرح یہ بات پایۂ تکمیل کو پہونچ جاتی ہے کہ جو قوت ابتدا میں گیس کی حالت میں تھی وہ بتدریج زندگی کی شکل میں تبدیل ہوئی لہذا قوت (Energy) اور روح (Soul) ہم معنی الفاظ ثابت ہوئے۔

انسانی ارتقاء

تقریباً پانچ سوملین سال قبل سے اب تک ہزاروں تہ دار چٹانیں عالم وجود میں آچکی ہیں اور ان کی تہوں میں انواع واقسام کے جانداروں کے فاسلس پائے جاتے ہیں۔ ان ہزاروں چٹانوں اور ان میں پائے جانے والے فاسلس کا بہت حد تک تفصیلی مطالعہ اور ان کی ارضی عمر دریافت کی جاچکی ہے اس بنا پر ان کو چار واضح ادوار (قدیم۔ درمیان۔ جدید اور موجودہ) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابتدا میں کچھ خاص قسم کے غیر ریڑھ دار جانور سمندر میں پیدا ہوتے ہیں یا پیدا کئے جاتے ہیں۔ یہ ایک خاص مدت تک کافی ترقی کرتے ہیں (اعداد میں اضافہ ہوتا ہے) اور سمندر کے مختلف حصّوں میں بہت تیزی سے پھیل جاتے ہیں۔ پھر ان کا تنزل ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ (اعداد میں کمی کے ساتھ ساتھ دور دراز الگ تھلگ مخصوص مقامات میں رہنے لگتے ہیں) اور ان کی جگہ دوسرے غیر ریڑھ دار جانور لے لیتے ہیں جو ان سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہیں دماغ (Brain) کے حجم میں اضافہ کے ساتھ ساتھ تیز رفتاری میں اضافہ، مگر ایک مدت کے بعد ان کا بھی یہی حشر ہوتا ہے اور یہ سلسلہ تقریباً ساڑھے تین سو ملین سال قبل تک محض غیر ریڑھ دار جانوروں میں محدود رہتا ہے

اور اس وقت تک کسی ریڑھ دار جانور کا کوئی فاسل نہیں ملتا ہے۔ اس کے بعد تقریباً ساڑھے تین سو ملین سال قبل سے ریڑھ دار جانوروں (Vertebrate) کے فاسلس سمندری تہ دار چٹانوں (Marine sedimentary rocks) میں ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ان ابتدائی ریڑھ دار جانوروں میں مچھلی (Fish) اور مینڈک (Amphabian) قسم کے جانوروں کے فاسلس پائے جاتے ہیں لیکن قدیم دور میں ان جانوروں کے جو اسپیشز (Species) عالم وجود میں آتی ہیں وہ درمیانی دور تک تقریباً تمام کی تمام ختم (Extinct) ہو جاتی ہیں اور ان کی جگہ انھیں کے خاندان کی دوسری اسپیشز جو جسمانی اور دماغی لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہیں لے لیتی ہیں۔

اسی طرح جدید اور موجودہ ادوار میں نئی اسپیشز عالم وجود میں آتی ہیں اور اس کے قبل کی اسپیشز ختم ہو جاتی ہیں۔ تقریباً ڈھائی سو ملین سال قبل سے چھپکلی (Reptiles) قسم کے جانوروں کے فاسلس ملنے لگتے ہیں ان میں بھی ہر دور میں نئی اسپیشز قدیم اسپیشز کی جگہ لیتی رہتی ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ سو ملین سال قبل سے دودھ پلانے والے جانوروں (Mammals) کے فاسلس ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کے ابتدائی جانوروں میں مختلف بڑے گروہوں (گھوڑے۔ بیل۔ بندر وغیرہ) کا امتیاز کرنا غیر ممکن ہوتا ہے لیکن تقریباً ساٹھ ملین سال قبل سے ایسے فاسلس ملنے لگتے ہیں جو موجودہ بندر سے قریبی تعلق ظاہر کرتے ہیں۔ پھر تقریباً تین ملین سال قبل سے انسان نما بندر کے فاسلس ملنے لگتے ہیں۔ اور تقریباً ڈیڑھ ملین سال قبل سے تحت الانسان (Sub-humen) کے فاسلس ملنے لگتے ہیں (تحت الانسان کی نسل تقریباً چالیس ہزار سال قبل ختم (Extinct) ہو گئی) اور بالکل آخر میں تقریباً پچاس ہزار سال قبل سے انسان (Homo sapiens) کے فاسلس ملنے لگتے ہیں۔

اس سے قبل میں بتا چکا ہوں کہ امیوبا (Ameoba) سے انسان تک ارتقاء

کا ایک تسلسل پایا جاتا ہے اور یہ تسلسل ایسا ہے کہ دو قریب ترین اسپیشیز (Species)
کے درمیان حد فاصل قائم کرنا محال ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لئے ہم یہاں
پر انسان اور اس سے متعلق جانوروں پر روشنی ڈالیں گے۔ اس سے ایک طرف تسلسل کی
وضاحت ہو جائے گی اور دوسری طرف انسان جسے ایک خاص مقام دیا جاتا ہے
اس کے صحیح مقام کا تعین ہو جائے گا۔

تحت الانسان اور ابتدائی انسان کو انسان نما بندر سے حسب ذیل تین
خصوصیات کی بنا پر ممتاز کیا جاتا ہے۔

چار پاؤں کے بجائے مسلسل دو پاؤں پر چلنا۔ دماغ کے حجم کا بڑا ہونا پتھری
اوزار (Tools) بنانا۔

اس قسم کا پہلا تحت الانسان جاوا میں پہلی مرتبہ انیسویں صدی کے آخر میں
ڈوبیس (Dubois) نے دریافت کیا جس کو پتھیکا انتھروپس ارکٹس Pith-
ecanthropus erectus کہا جاتا ہے۔ یہ جسمانی بناوٹ میں انسان نما بندر سے مشکل ہی
سے امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے دماغ کا حجم تقریباً 800C.C. ہے۔ اور
دو پاؤں پر چلتا ہے۔ جب کہ انسان نما بندر کا دماغی حجم تقریباً 600C.C. ہے اور چار پاؤں
پر چلتا ہے۔ جس چٹان کی تہہ سے اس قسم کے تحت الانسان کی ہڈیاں ملی ہیں اس کو جاوا
میں جیٹس تہیں (Djetis Layers) کہا جاتا ہے۔ اس ارضی عمر کی چٹانیں ہندوستان
چین، یورپ، افریقہ اور امریکہ میں پائی جاتی ہیں Sahni Khan مگر اب تک جاوا کے
علاوہ محض افریقہ ہی میں اس تحت الانسان جیسے احافیر ملے ہیں اور یہ تحت الانسان
جو اوزار بناتا تھا اس کو پری چیلین (Prechallean) کہا جاتا ہے اور اس چٹان
کی ارضی عمر ۲،۰۱ ملین سال بتائی جاتی ہے مگر تازہ تحقیق جو امریکہ میں ہوئی ہے
اس کی بناء پر اس تخمینہ کے بارے میں شبہ کیا جا رہا ہے اور اندازہ ہے کہ اس کی ارضی

عمر Geological age ۱،۵۱۰۶ ملین سال ہوگی[۲] (Evern dan) اس کے بعد جاوا ہی میں اس کے اوپر والی چٹان کی تہہ میں جس کو ٹرینل تہیں (Trinil Layers) کہا جاتا ہے اس تحت الانسان کی ہڈیاں اور کھوپڑیاں ملی ہیں۔ ٹرینل تہوں کے ارضی عمر کے ایک تحت الانسان کی ہڈیاں اور کھوپڑیاں چین میں ملی ہیں جس کو پہلی مرتبہ بیسویں صدی کے شروع میں اینڈرسن اور زدانسکی (Anderson & Zdanky) نے چکوٹین (Choukoutein) گاؤں کے قریب دریافت کیا جس کو بلیک[۳] نے اور دوسری ہڈیوں کے ساتھ جو بعد میں اسی جگہ سے ملی تھیں جائزہ لے کر اس تحت الانسان کا نام سینن انتھراپس پکی نینسس Sinanthropus pekinensis رکھا۔ یہ تحت الانسان آگ کا استعمال جانتا تھا۔ بعد میں جاوا اور چین کی تحت الانسان ہڈیوں کے تقابلی مطالعہ کے بعد وڈنریچ[۴] Weidenreich نے کہا کہ دونوں تحت الانسان زیادہ قریب ہیں اگرچہ چین کے تحت الانسان کا دماغی حجم کچھ زیادہ ہے اور ویلس (Vallows)[۵] نے ان کو ایک ہی نوع (Species) میں رکھا اور پہلا نوعی (Species) نام برقرار رکھا۔ جس قسم کے اوزار چکوٹین میں ملے تھے ویسے ہی اوزار ہندوستان میں بھی ملتے ہیں۔ مگر اس تحت الانسان (Sub-human) کی کوئی ہڈی ابھی تک ہندوستان میں نہیں ملی ہے بلکہ ('Khan, E)

بیسویں صدی کے ابتدا ہی میں سوٹینگ[۶] (Schoetensack) نے جرمنی میں تحت الانسان کے نیچے کا جبڑا دریافت کیا جس کو ھومو ہیڈلبرجینیس (Homo heidelbergensis) کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جاوا انسان ہی ہے۔

بیسویں صدی کی ابتدا میں اور بہت سے تحت الانسان کی ہڈیاں دریافت کی گئیں جو ہومو ہیڈلبرجینیس سے زیادہ ترقی یافتہ تھیں ان کو ورشو[۲] (Virchaw)[۷]

اس لئے ترقی یافتہ مانا کہ ان کی کھوپڑی کی بناوٹ ترقی یافتہ ہیں اوران ہڈیوں کے
ساتھ جو اوزار ملے وہ بھی ترقی یافتہ ہیں جس کو مسٹیرین (Moustrian) کہا جاتا ہے
اس تحت الانسان کو پری ننیڈرتھیلین (Pre-neanderthalian) کہا جاتا ہے
اور ایسے اوزار ہندوستان میں بھی ملتے ہیں[۲۳]۔ انیسویں صدی کے وسط میں نینڈرتھل
(Neanderthal) گھاٹی میں ایک تحت الانسان کی کھوپڑی ملی جواب تک
تحت الانسان کے جتنے نمونوں کا بیان ہو چکا ہے ان سے زیادہ ترقی یافتہ تھا
لہٰذا اس کو ہوموننیڈرتھلینس (Homo-neanderthalensis) کہا جاتا ہے۔
بعد میں اس تحت الانسان کی بہت سی ہڈیاں اور کھوپڑیاں مختلف جگہوں سے دریافت
کی گیئں، لہٰذا اس کا کافی گہرا مطالعہ کیا گیا اور مختلف سائینسدانوں نے مختلف نام دیا۔
مگر کنگ[۲۴] (King) نے جو نام دیا تھا وہی مانا گیا اس کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔
پستہ قد مگر مضبوط بناوٹ کا تھا۔ سر لمبا ہونے کے ساتھ ساتھ چہرہ بھی لمبا تھا
مگر کھوپڑی چھوٹی تھی تقریباً 1250 c.c.) آنکھیں بڑی ہونے کے ساتھ ساتھ ابرو
ابھرے ہوئے تھے اور پیشانی دبی ہوئی تھی۔ ناک چوڑی اور اوپر کا ہونٹ موٹا ہونے
کے ساتھ ساتھ چوڑا تھا نیچے کا جبڑا مضبوط تھا مگر ٹھوڑی پیچھے کی جانب دبی ہوئی تھی۔
پاؤں چھوٹے ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ خمدار تھے۔

یہ تحت الانسان تقریباً ایک ملین سال قبل سے چالیس ہزار سال قبل تک زندہ
رہا اور اس نے جو اوزار بنایا اس کو مسٹیرین (Moustrian) کہا جاتا ہے۔ اس نے
جو اوزار ایجاد کئے تھے وہ ابتدا میں بھونڈے اور بڑے تھے مگر اپنی زندگی کے آخری
ایام میں ان کو کافی ترقی دی اور ان کی شکل و صورت میں خوب صورتی پیدا کی اور جسامت
میں چھوٹے ہو گئے اس تہذیب میں مردے کو دفن کرنے کا رواج تھا اور شاید زندگی
بعد موت کا تصور بھی موجود تھا[۲۵] (Burkitt, M.C)

مارسٹن[26] (Marston) نے سونکی (Swanscombe) سے ایک کھوپڑی کا آخری حصہ دریافت کیا جو موجودہ انسان (Homo sapiens) سے زیادہ قربت ظاہر کرتا ہے اور دوسرے تحت الانسان سے مختلف ہے لہٰذا اس کو ماقبل انسان (Homo presapien) کہا جاتا ہے۔

مگر اس کے ساتھ جو اوزار ملے ہیں وہ وہی ہیں جو اس زمانے کے تحت الانسان استعمال کرتے تھے جس کو اشولین (Achellean) کہا جاتا ہے اس کے علاوہ فونٹیچوئیڈ[27] (Vallois) کے مقام پر ہنری مارٹن (Henri Martin) نے ایک ایسی کھوپڑی دریافت کی جو مارسٹن کی دریافت شدہ کھوپڑی سے بالکل مناسبت رکھتا ہے اس کے ساتھ جو اوزار ملے ہیں وہ ٹیاشین (Tayacian) کہا جاتا ہے اور اس قسم کے اوزار اس زمانے کے تحت الانسان استعمال کرتے تھے ان تہوں کی ارضی عمر ایک ملین سال سے کچھ زیادہ ہے یہی وہ زمانہ ہے جب ہوموپری نینڈر تھلین (Homo Pre-neanderthalensis) کا وجود مانا جاتا ہے۔

تقریباً پچاس ہزار سال قبل سے موجودہ انسان کے احافیر ملنے شروع ہو جاتے ہیں ایک سو سے زاید ڈھانچے اور دوسری ہڈیاں اس وقت تک دریافت کی جا چکی ہیں جب وہ دس ہزار سال قبل تک کی تہذیب گزار رہا تھا۔ اس کے احافیر کے دریافت سے اندازہ ہوتا ہے کہ پچاس ہزار سال قبل تک وہ گپھاؤں میں رہتا تھا اور کوئی الگ سے گھر نہیں بناتا تھا اور اس نے اس وقت تک مٹی کا کوئی برتن بنانا نہیں سیکھا تھا مگر وہ مختلف اقسام کے اوزار بناتا تھا جو مجموعی طور پر بلیڈ انڈسٹری (Blade industry) کہلاتی ہے۔ جن کی تین واضح قسمیں ہیں۔

(Aurignacian, Solutrean & Magdalenian)

اوزار بنانے کے علاوہ اس نے اپنی اس چالیس ہزار سالہ تہذیب میں جانوروں اور

انسانوں کی تصویر گری بھی کی۔ اگرچہ جانوروں کی تصویر گری میں اس نے اس دور میں کافی مہارت حاصل کرلی تھی اور اس زمانے کی بہترین تصویریں گپھاؤں اور پہاڑوں میں ملتی ہیں مگر انسانی تصویر میں خوب صورتی پیدا نہیں ہو سکی تھی ان تصویروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کون سے جانور پائے جاتے تھے جن کا وہ شکار کرتا تھا۔ انسانی تصویروں میں عورتوں کی تصویریں زیادہ ملتی ہیں۔

اورگنیشین (Aurignacian) اس قسم کے جو ابتدائی اوزار ہیں وہ مشکل ہی سے مسٹیرین (Moustrian) اوزار سے جس کو ہوموینڈرتھلینیس (Homo neanderthalensis) استعمال کرتا تھا امتیاز کیا جاسکتا ہے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ہی ساتھ اس قسم کے اوزار قطعی طور سے ممتاز ہو جاتے ہیں جو عام طور سے چھوٹے اور موٹے ہونے کے بجائے پتلے اور لمبے ہونے لگے اور اسی زمانے میں پہلی مرتبہ بھونڈی قسم کی سوئی ملنے لگی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان نے چمڑے کو پہننے کے لئے سی کر استعمال کرنا شروع کردیا تھا یہ تہذیب تقریباً پچاس ہزار سال قبل سے پچیس ہزار سال قبل تک تھی۔

سلوٹرین (Solutrean) اس قسم کے اوزار زیادہ باریک ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے قسم کے پتھروں سے بنائے جاتے تھے اور اس زمانے میں ہرن کی سینگ اور ہاتھی کے دانت کا کام بھی عام ہو گیا تھا۔ اور اس زمانے میں پہلی مرتبہ ایسی سوئی پائی جانے لگی جس میں سوراخ بھی ہوتا تھا۔ یہ تہذیب تقریباً پچیس ہزار سال قبل سے پندرہ ہزار سال قبل تک تھی۔

میگڈلین (Magdalenian) اس قسم کے پتھری اوزار زیادہ بہتر ہونے لگے اور ان کو ایسا بنایا جانے لگا کہ ایک پتھر کو کئی کام میں استعمال کیا جاسکے۔ ہرن کا سینگ اور ہاتھی کے دانت کے کام میں عمدگی آگئی اور ہرن کے سینگ سے کئی

اقسام کے نوکدار بجائے بنائے جانے لگے اور سوئی کا استعمال عام ہوگیا۔ یہ تہذیب تقریباً پندرہ ہزار سال قبل سے دس ہزار سال قبل تک تھی۔

تقریباً دس ہزار سال قبل سے سات ہزار سال قبل تک جو تہذیب تھی اس میں جو پتھری اوزار بنائے جاتے تھے وہ زیادہ اچھے قسم کے تھے اور ان میں مثلث اور دوسری جومیٹری شکلیں پائی جاتی تھیں جو اس کے قبل کی تہذیب میں نہیں پائی جاتی تھیں اور اس زمانے میں رنگ کا استعمال عام ہوگیا تھا لہٰذا اس زمانے میں رہنے والے انسانی گپھاؤں میں رنگین تصویریں بھی ملتی ہیں اور اس کے علاوہ پتھری اوزار پر رنگین تصویریں اور پچی کاری کا کام ملنے لگا۔ اس تہذیب کو میسولیتھک[۸] 'Mesolithic' کہا جاتا ہے۔

تقریباً سات ہزار سال قبل سے پانچ ہزار سال قبل تک کی تہذیب میں اس نے ایسے پتھری اوزار بنانا شروع کیے جو گڑھ کر بنائے جانے کے بجائے رگڑ کر بنائے جاتے تھے اس طرح اس کے پتھری اوزار زیادہ چکنے اور تیز دھار ہوتے تھے اس کے علاوہ اس نے جانوروں کو پالنا شروع کر دیا تھا اور کاشت شروع کر دی تھی اور باقاعدہ جھونپڑیاں بنا کر رہنے لگا تھا اور مٹی کے برتن بھی بنانے لگا تھا اور اس طرح چھوٹی چھوٹی آبادیاں میدانی علاقے میں دریاؤں اور جھیلوں کے کنارے شروع ہوگئی تھی۔

اس تہذیب کو نیولیتھک[۹] (Neolithic) کہا جاتا ہے۔

تقریباً پانچ ہزار سال قبل سے اس نے دھات کا علم سیکھا۔ ابتدا میں پیتل پھر تانبہ اور آخیر میں لوہے کا استعمال کرنے لگا۔ اس دور میں اس نے لکھنا بھی شروع کر دیا تھا مگر یہ لکھائی محض پتھروں یا دھاتوں پر ہوا کرتی تھی۔ اس دور میں چین ہندوستان، عراق اور مصر میں بڑی حکومتیں قائم ہوگئی تھیں۔

اس کے بعد اس نے کاغذ پر لکھا سیکھا اور اس دور سے اس کی پوری تاریخ کتابوں

کے ذریعہ دریافت ہوتی ہے تقریباً ایک صدی قبل تک انسان کی ابتدائی تہذیب کا علم محض کتابوں کے ذریعہ معلوم ہوا کرتا تھا مگر مندرجہ بالا تحریر سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اب انسان کی ابتدائی تہذیب کو دریافت کرنے کے اور بہت سے ذرائع ہیں۔

مندرجہ بالا معلومات کی بنا پر انسان کی تاریخ کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) دس ہزار سال قبل سے پانچ ہزار سال قبل کے تاریخی دور کو بعید ماقبل تاریخ کہا جاتا ہے (۲) اسکے علاوہ ماقبل انسان اور تحت الانسان کی تاریخ کو ماقبل میں شمار کیا جاتا ہے

اب اندازہ ہو گیا ہوگا کہ تقریباً ۱۵ لاکھ سال قبل انسان نما بندر اور تحت الانسان میں جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے مشکل امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ تحت الانسان کو محض دماغی حجم کے اضافہ اور دو پاؤں پر چلنے کے علاوہ کوئی دوسری خصوصیت انسان نما بندر سے ممتاز نہیں کر سکتی ہے۔ دس لاکھ سال قبل تحت الانسان اور اس زمانے کے ماقبل انسان میں کوئی امتیاز نظر نہیں آتا ہے کیونکہ دونوں ایک ہی قسم کے پتھری اوزار بناتے تھے اور ایک ہی قسم کی زندگی گذارتے تھے اگر کوئی خاص امتیازی خصوصیت ہے تو وہ محض دماغی ساخت کی بناوٹ ہے۔

پچاس ہزار سال قبل بھی انسان اور اس زمانے کے تحت الانسان دونوں ایک ہی قسم کے پتھری اوزار بناتے تھے اور ایک قسم کی زندگی گزارتے تھے مگر پچاس ہزار سال قبل اور چالیس ہزار سال قبل کی مدت میں انسانی برتری ابھر کر سامنے آئی اور اس نے اس دس ہزار سال کی مدت میں کافی ترقی کی اور اپنے پتھری اوزار میں نئے نئے ایجادات کئے۔ اس کے برخلاف تحت الانسان اپنے دقیانوسی پتھری اوزار پر قانع رہا اور اسی سے تنگ کر کے زندگی گزارتا رہا اور بالآخر انسانی ایجادات کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور اس کی نسل ختم (Extinct) ہو گئی۔ اس کے بعد محض انسان ہی میدان میں رہ گیا اور مسلسل ترقی کرتا۔ مگر ان میں وہی گروہ طاقت ور رہا اور دوسرے

پر اپنی برتری جتاتا رہا جس نے ہر دور میں زمانے سے بلند ہو کر علمی، سماجی، معاشی، فوجی اور تہذیبی میدان میں نئے نئے ایجادات کیے اور ان پر حکومت کی۔ جو اپنے قدیم ایجادات اور سنہری دور پر صرف کرتے رہے اور زمان و مکان سے بے نیاز ہو کر احیائے ماضی ہی پر پورا زور صرف کرتے رہے۔

سماجی ارتقاء

انسان ابتدا میں پھل پھول جڑی بوٹیاں اور کیڑے مکوڑے پر گزر اوقات
کریا کرتا تھا دھیرے دھیرے اس نے چھوٹے جانوروں کا شکار کرنا شروع
کیا پھر بڑے جانوروں کا شکار کرنے لگا لیکن بڑے جانوروں کا شکار کرنا
آسان نہ تھا لہذا انھوں نے ایک گروہ کے ساتھ مل کر شکار کرنے کا طریقہ سیکھا۔
اس طرح انسان کو مل جل کر رہنے کا طریقہ آیا لیکن جب لگاتار شکار کرنے سے
جانوروں کی آبادی کم ہونے لگی اور انسان کی آبادی بڑھنے لگی تو بڑے جانوروں
کا شکار کرنا اور مشکل ہو گیا لہذا زیادہ بڑے گروہ کی ضرورت پڑی جس کا صحیح
طرز پر انتظام کرنے کے لئے ایک رہنما کی ضرورت پڑی اور اس طرح رہنما کا تصور
پیدا ہوا۔ اس کا پتہ فرانس کے ایک مقام سلیوٹرے (Solutre) سے ہوتا ہے۔
جہاں پر تقریباً ایک لاکھ گھوڑوں کی ہڈیاں ملی ہیں۔

چونکہ ابتدائی دور میں انسان ننگا پھرا کرتا تھا کوئی خاص سماجی پابندی نہ تھی
لہذا بچے کچی عمر ہی سے جنسی کشش میں مبتلا ہو جاتے تھے اور جوانی میں کمزور ہو تے

تھے لیکن جب انسان نے ہوش سنبھالا اور ان کو بڑے گروہ بنا کر شکار کرنے کی ضرورت پڑی تو انھوں نے کچھ سماجی قوانین مرتب کئے۔ ان میں ایک خاص قانون یہ تھا کہ بچوں پر سخت جنسی پابندی لگائی اور شادی کے قبل ان کو جوانمردی اور بہادری کا مظاہرہ کرنا پڑتا تھا جس کے لئے امتحان لیا جاتا تھا جو اس میں کامیاب ہوتا تھا اسی کو شادی کی اجازت دی جاتی تھی اور یہ رسم رائٹس آف پیسیج -Rites of passage) کے نام سے یاد کی جاتی تھی۔ مرد شکار کے لئے دور دراز کے علاقوں میں چلے جاتے تھے۔ عورتیں جنگلات سے جنگلی اناج جمع کرتی تھیں اور ان کو کوٹ کر کھانے کے لئے بھون لیا کرتی تھیں اس وقت تک انسان کو مٹی کا برتن بنانا نہیں آیا تھا یہ طرز زندگی تقریباً دس ہزار سال قبل تک قائم رہا

تقریباً دس ہزار سال قبل جب بڑے جانور کم ہو گئے تو انسان نے اپنی خوراک کے لئے چھوٹے جانور مثلاً چڑیا، ہرن اور مچھلی کی طرف رخ کیا۔ مگر ان جانوروں کا شکار پتھر کے اوزار کو ہاتھ سے پھینک کر یا نیزے سے کرنا آسان نہ تھا۔ لہذا انھوں نے نیزے کے مقابلے میں تیر و کمان کو ایجاد کیا اور مچھلیوں کے شکار کے لئے مختلف قسم کے جال بنانے لگے جو روئی کے بجائے نرکل کے ہوا کرتے تھے اس وقت تک ان کو روئی کا استعمال معلوم نہ ہوا تھا لہذا یہ سردیوں میں جانور کے چمڑے استعمال کیا کرتے تھے مگر گرمیوں میں ننگے پھرا کرتے تھے اب انھوں نے غاروں میں رہنے کے بجائے دریاؤں اور جھیلوں کے کنارے گھاس پھوس کے مکانات بنانا شروع کر دیئے تھے مگر خشک علاقوں میں انھوں نے بھیڑ اور بکری کو پالنا شروع کر دیا کیوں کہ ان علاقوں میں پانی کی کمی کی بنا پر مچھلیوں اور چڑیوں پر گذر اوقات کرنا مشکل تھا اس طرح مرطوب علاقے میں شکار گاہی تہذیب قائم رہی مگر خشک علاقے میں خانہ بدوشی تہذیب کی ابتدا ہو گئی۔

تقریباً آٹھ ہزار سال قبل سے انسان نے پتھر کے اوزار گھڑ کر بنانے کے بجائے رگڑ کر بنانا شروع کر دیا علاوہ ازیں مرطوب علاقوں میں جھیل یا دریا کے کنارے تھوڑی بہت کاشتکاری بھی شروع کر دی۔ لیکن دھیرے دھیرے انسان کو احساس ہونے لگا کہ کاشتکاری زیادہ یقینی ذریعہ معاش ہے لہٰذا انھوں نے اپنا زیادہ تر وقت کاشتکاری میں لگانا شروع کر دیا اور شکار کی جانب ان کا رجحان کم ہونے لگا ابتدا میں یہ زمین کھود کر ہی کاشتکاری کرتے تھے مگر دھیرے دھیرے انھوں نے جانوروں سے کھیت جوت کر کاشتکاری کا طریقہ اپنایا اس وقت تک ان کو مٹی کا برتن بنانا آ گیا تھا مگر پھر بھی ان کے رہنے کے مکانات پتھر۔ مٹی اور لکڑی ہی سے بنے ہوئے ہوتے تھے اور اب انھوں نے پودوں کے ریشوں سے بنے ہوئے کپڑے استعمال کرنا شروع کر دئے تھے اور اس طرح چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہو گئے تھے۔

تقریباً پانچ ہزار سال قبل سے بڑے بڑے شہر مختصر علاقوں میں نظر آنے لگے اور اس طرح دیہاتی طرز معاشرت شہری طرز معاشرت میں تبدیل ہو گئی اور تہذیب کی بنیاد پڑی اس وقت دنیا میں جتنی تہذیبیں تھیں ان کو الگ الگ بیان کیا جائے گا: تاکہ ان کے سماجی ڈھانچہ کا صحیح اندازہ ہو سکے علاوہ ازیں ان میں جو بعد میں تبدیلیاں آئیں ان کو بھی بیان کیا جائے گا تاکہ ہر علاقے کا سماجی ارتقا سامنے آ سکے۔ ۳۱

مصر: تقریباً پانچ ہزار سال قبل مصر جنوبی اور شمالی علاقوں میں بٹا ہوا تھا وہاں کی دو آبی زمین میں مختلف گاؤں آباد تھے جہاں کاشتکار اپنے کام میں سال بھر مشغول رہتے تھے کیونکہ یہ سال میں تین فصل کاٹتے تھے مگر کچھ لوگ کسی گاؤں کے مالک تھے اس طرح زمینداری کا رواج پیدا ہو گیا تھا مگر تھوڑے

ہی عرصے میں جنوبی علاقے کے ایک زمیندار نے جنوبی اور شمالی علاقوں کو ملا کر حکومت کی بنیاد رکھی جو مینس (Menes) خاندان کے نام سے مشہور ہوا۔ وہ اپنی حکومت جمانے کے لئے اپنے آپ کو دیوتا کی اولاد کہنے لگا اس طرح دیوتاؤں کے بلند مقام کم کئے بغیر اپنے آپ کو تمام انسانوں سے بلند کر لیا۔ ایسی صورت میں پنڈتوں کی اہمیت کم ہو گئی اور وہ بادشاہ کے ماتحت ہو گئے حالانکہ اس کے قبل پنڈت ہی لوگوں کے مذہبی اور سماجی رہنما مانے جاتے تھے۔

تقریباً ۲۶۰۰ء ق م میں شمالی مصر میں ایک دوسری طاقتور بادشاہت ابھری جو قدیم بادشاہت کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے بادشاہ نے سب سے بلند دیوتا کا مقام حاصل کر لیا۔ بادشاہ کے دیوتائی مقام کو برقرار رکھنے کے لئے شہزادے اپنی بہن سے شادی کرتے تھے۔ لہٰذا اس دور میں بھی پنڈتوں کا مقام کمتر رہا۔ اس دور میں ہر میدان میں کافی ترقی ہوئی انھوں نے ایک تحریری زبان کا رواج دیا۔ پہلی مرتبہ کاغذ ایجاد کیا اور اس پر لکھنے کے لئے روشنائی بنائی سال کو ۳۶۵ دن میں تقسیم کیا جو دنیا کی پہلی شمسی جنتری ہے۔ اپنے بادشاہوں کے عجیب مثلث نما (Pyramid) مقبرے بنائے تمام زمین بادشاہ کی تصور کی جاتی تھی۔ کاشتکار بادشاہ کو لگان ادا کرتا تھا اور اس کی وصولیابی کیلئے کارندے مقرر تھے۔ اور لگان ادا کرنے والوں کی اپیل کے لئے عدالتیں تھیں مگر کوئی تحریری قانون نہ تھا بلکہ بادشاہ کا حکم ہی قانون ہوتا تھا علاوہ ازیں ان کے یہاں فطری اخلاقی قانون کا تصور بھی موجود تھا جس کے مطابق قوانین مرتب تھے اور حکومت کی پوری انتظامیہ اسی کے ماتحت چلنے کی پابند مانی جاتی تھی۔ مگر عملی طور سے بادشاہ ہی کا حکم چلتا تھا۔ بادشاہ کے بعد مندر کے پنڈت، گورنمنٹ اور فوج کے اعلیٰ افسران تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگ درمیانی درجے میں شمار ہوتے تھے مگر ان کا مقام

سب سے کم تھا جو جنگی قیدی ہوتے تھے۔

تقریباً ۲۱۶۰ ق م میں قدیم مصری بادشاہت ختم ہوگئی اور ایک سو سال تک تمام ملک میں خانہ جنگی پھیلی رہی اور ہر طرف بدامنی عام ہوگئی پھر لوگ تنگ آکر اس پر متفق ہونے لگے کہ ایمانداری۔ انصاف پسندی اور جفاکشی کو بنیادی مقام دیا جائے اس طرح اصلاح کی ایک مہم تمام ملک میں پھیل گئی اور لوگوں میں ایک مضبوط مرکزی حکومت کا احساس بڑھنے لگا ایسی صورت حال میں تقریباً ۲۰۵۰ ق م میں تھیبس (Thebes) کے حاکموں نے ایک مضبوط مرکزی حکومت کی بنیاد رکھی جو درمیانی بادشاہت کے نام سے مشہور ہے مگر اصلاحی تحریک کمزور پڑگئی کیونکہ بدامنی ختم ہوتے ہی صاحب اقتدار لوگ پھر اپنی پرانی خراب عادتوں کی طرف لوٹ گئے اور لوگوں میں پرانا اعتقاد قائم نہ ہوسکا بلکہ آپس کے اختلافات پھر ابھرنے لگے ایسی صورتحال میں ایشیا کے ایک قبائلی بادشاہ نے جو ہکساس (Hyksos) کہلاتے تھے اس پر حملہ کردیا مصری اپنے اندرونی خلفشار اور فوجی آلاتی کمتری کی بنا پر مغلوب ہوگئے اور قبائلی خاندان نے تقریباً ایک سو سال تک مصریوں پر حکومت کی اس دوران مصریوں نے اپنے اندر اتحاد قائم کیا اور فوجی برتری حاصل کی اور ہکسوسیوں میں آرام پسندی آگئی۔

تقریباً ۱۶۰۰ ق ۔ م ۔ میں مصریوں نے ہکسوسیوں کو مصر کے باہر کردیا اور دوبارہ مصر میں مصریوں کی حکومت قائم ہوگئی یہ دور جدید بادشاہت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ جدید بادشاہت میں مصری بادشاہ کو فرعون (Pharoah) کا خطاب دیا گیا۔ اس دور میں مرکزی حکومت بہت زیادہ طاقتور رہی جس کی وجہ سے ظلم و زیادتی عام ہوگئی ۔ اب مصریوں کے ذہن میں ہمیشہ باہری حملے کا ڈر رہتا تھا لہٰذا ہر سال بادشاہ موسم بہار میں اپنے پڑوسی ملکوں پر حملہ کرتا رہتا تھا اس کے باوجود

۱۶۶ۓ ق۔م میں جدید بادشاہت ختم ہوگئی کیونکہ اوپری طبقے میں عیش پرستی عام ہوگئی تھی اور نچلے طبقے میں ظلم و زیادتی اور غربت اپنے عروج کو پہونچ چکی تھی۔ مصریوں میں خود اعتمادی ختم ہو چکی تھی لہذا اس دور کے بعد یہ ہمیشہ دوسرے کے غلام رہے اگرچہ وقتی طور پر ان کو آزادی ملتی رہی ہے۔

عراق:- تقریباً پانچ ہزار سال قبل عراق میں چند بڑے شہر آباد ہو گئے جن میں نیپر اُر اور لاگاش قابل ذکر تھے اور یہاں پر شہری حکومتیں قائم ہوگئی تھیں جو معاشی اور سیاسی نقطہ نظر سے بالکل آزاد تھیں۔ ہر شہر کے چاروں طرف بلند دیواریں تھیں جو ان کو قلعہ کے طرز پر محفوظ رکھتی تھیں۔ ہر شہر سے چند گاؤں اور قصبے جو اس کے ارد گرد ہوتے تھے۔ اس شہری حکومت کے ماتحت تھے جو شہری آبادی کو اناج سبزی اور گوشت وغیرہ مہیا کرتے تھے گاؤں کی کاشت کاری نہر کے ذریعہ آب پاشی پر منحصر تھی۔ پانی کے مسئلہ پر ان حکومتوں میں لڑائی ہوتی رہتی تھی اور قیدیوں کو غلام کی حیثیت سے رکھا جاتا تھا اس طرح یہیں سے غلامی کا رواج ہوا۔ اگرچہ ہر شہر کا رہنما اور حاکم مندر کا پنڈت ہوتا تھا مگر جنگ کے موقع پر وقتی بادشاہ مقرر کر لیا جاتا تھا۔ جو بعد میں زیادہ طاقتور ہو گیا کیونکہ یہ حکومتیں مسلسل جنگ کرنے لگی تھیں اور تقریباً ایک ہزار سال تک ایک دوسرے سے جنگ کرتی رہتی تھیں ان جنگوں میں کبھی کوئی جیتا تو کبھی کوئی اور اسی وجہ سے کوئی طاقتور بادشاہ نہ ہوسکا مگر چوبیسویں صدی قبل مسیح میں اکد کے سرگوں نے (Sargon of Akkad) سمرین شہری حکومتوں کو زیر کر کے ایک بڑی حکومت کی بنیاد رکھی جس کی حکومت بعد میں کافی وسیع ہو گئی جن میں شام اور لبنان تک کے علاقے شامل تھے مگر یہ زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوسکی اور تقریباً ۲۰۰۰ء ق م میں ختم ہوگئی۔

تقریباً دو سو سال تک سمرین خانہ جنگی ۔ بدامنی اور باہری حملے کے شکار رہے اور تقریباً ۱۷۹۰ء ق ۔ م میں حمورابی (Hammorabi) نے بابل حکومت کی بنیاد رکھی جس نے حکومت کرنے کے بہترین قوانین دئے اور یہ حکومت تقریباً ۱۲۰۰ء ق ۔م میں ختم ہوگئی اور پھر ان پر اسیرین (Assyrion) کی حکومت رہی جن کا دارالخلافہ نینوا (Nineveh) تھا ۔ ان کو ایرانیوں نے تقریباً ۶۵۰ء ق ۔ م میں شکست دی اور اپنی حکومت قائم کی اس کے بعد ان پر یونانیوں کی حکومت رہی گویا کہ یہ مسلسل غلام رہے ۔

سمرین بہت بڑے تجار تھے ان کی تجارت انفرادی تھی مگر مندر کے قوانین کے سخت پابند تھے ۔ نئے نئے تجارت میں داخل ہونے والوں کے لئے کوئی پابندی نہ تھی اس طرح اجارہ داری کو پنپنے نہیں دیا جاتا تھا سودی کاروبار خوب ہوتا تھا ۔ یہ کچا مال مختلف علاقوں سے جمع کرتے تھے اور ان کی مختلف چیزیں بنا کر پھر انہیں کو بیچ دیا کرتے تھے ۔

ابتدا میں تمام انسان برابر مانے جاتے تھے مگر جیسے جیسے کام کی تقسیم قائم ہوتی گئی اسی طرح گورنمنٹ کے اونچے عہدیدار اور فوج کے اعلیٰ افسر اور بڑے بڑے تجار کا ایک اونچا درجہ قائم ہوگیا ۔ کاشتکار ۔ دستکار ۔ اور دوسرے چھوٹے لوگوں کا ایک درمیانی درجہ ابھرا اور جنگ کے قیدیوں کا سب سے نیچا درجہ تھا جو غلام کہلاتے تھے دکان کچی اینٹ کے بنے ہوتے تھے جن میں باہر کی کوئی روشندان یا کھڑکی نہیں ہوتی تھی سڑکیں بہت تنگ ہوتی تھیں مگر مکانات کافی وسیع ہوتے تھے بڑے گھروں میں بیوی کے علاوہ کئی داشتائیں ہوتی تھیں ۔ کھانے میں بھیڑ اور سور کا گوشت عام تھا مچھلی بھی کافی مرغوب مانی جاتی تھی اور شراب کا عام استعمال تھا غربت میں لوگ اپنے بیوی بچوں کو بیچ دیا کرتے تھے ۔ غلام محنت کر کے

اپنی آزادی کے لئے کما سکتا تھا۔ ایسے پیچیدہ سماج کو صحیح طور پر چلانے کے لیے بہترین قوانین مرتب کئے گئے جن کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی اور امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں رکھا جاتا تھا مگر دھیرے دھیرے ایمانداری انصاف پسندی اور جفاکشی کا فقدان ہونے لگا جس کے نتیجے میں یہ تہذیب ختم ہوگئی۔ (یہ تمام داستان سمرین کی تحریروں سے حاصل ہوئی ہے)

ہندوستان:۔ تقریباً پانچ ہزار سال قبل ایران اور بلوچستان کے لوگ دریائے سندھ کے کنارے آباد ہونے لگے یہ لوگ سمرین تہذیب سے واقف تھے لہٰذا ان لوگوں نے سندھ کے دہانے پر ایک بڑے شہر کی بنیاد رکھی جو بہترین نقشے کے مطابق بنایا گیا تھا جس کی مثال اس وقت کی دنیا میں کوئی نہ تھی۔ یہ شہر موہن جُداڑو (Mohenjo-daro) کے نام سے مشہور ہے اس کے تمام مکانات پکی اینٹ کے بنے ہوئے تھے ہر گھر میں غسل خانہ اور بیت الخلا تھے سڑکیں کافی وسیع تھیں پانی نکالنے والی نالیاں بہترین طریقے سے بنائی گئی تھیں اس طرح انھوں نے شہری منصوبہ (City-Planning) کی ایک مثال قائم کر دی تھی اس کے علاوہ شمال میں ہڑپا (Harapa) اور جنوب میں لوتھل (Lothel) دوسرے دو بڑے شہر تھے جو اسی طرز پر بنائے گئے تھے لوتھل میں سمندری تجارت کے لئے بہترین بندرگاہ کا انتظام تھا اس طرح اُنھوں نے اپنی انجینیرنگ کا ایک نمونہ پیش کر دکھایا تھا۔

ان کی معاشیات اگرچہ زرعی تھی مگر انھوں نے صنعتی تہذیب کا ایک عجیب نمونہ پیش کیا کیونکہ شہر کے مختلف علاقوں میں کاریگر اور دستکار مختلف قسم کی بہترین چیزیں لکڑی، کانسی۔ تانبہ، چاندی۔ سونا اور قیمتی پتھر کے بناتے تھے جو عراق اور مصر تک کے علاقوں میں فروخت کئے جاتے تھے اور آج تک اس وقت کی تانبہ کی بنی ہوئی ایک رقاصہ کی تصویر ہندوستان کے بیرونی تجارت میں شامل ہے۔

اگرچہ ان کی دستی تحریریں اب تک نہیں پڑھی جاسکی ہیں جس سے ان کی تہذیب کا صحیح اندازہ ہوسکے مگر ان کے شہروں کی بناوٹ میں یکسانیت تول کے اوزان میں مماثلت۔ شہروں میں بڑے بڑے ہال۔ اس بات کے شاہد ہیں کہ تمام علاقہ ایک مرکزی حکومت کے ماتحت تھا جو کسی بادشاہ کے ماتحت نہ تھا کیونکہ وہاں پر جمہوری طرز حکومت تھی۔

ان کی تہذیب تقریباً ساڑھے چار ہزار سال قبل اپنے عروج پر پہونچی مگر پھر یہ زمانے کے ساتھ اپنی تہذیب میں تبدیلی نہ کرسکے اور تقریباً ایک ہزار سال قبل تک اسی پر قائم رہے جس سے ان میں دھیرے دھیرے انحطاط کے آثار نمودار ہونے شروع ہوگئے اور تقریباً چار ہزار سال قبل جب آرین ہندوستان میں داخل ہوئے تو یہ اپنی شہری آرام دہ زندگی گزار رہے تھے اور ان کی وہ پرانی قوت باقی نہ رہ گئی تھی اور کچھ آرین کے دباؤ اور کچھ اپنی کاہلی کی بنا پر یہ برباد ہوگئے۔

آرین جب تقریباً چار ہزار سال قبل ہندوستان میں داخل ہوئے تو ان کی تہذیب خانہ بدوشانہ تھی اور وہ مختلف قبائل میں منقسم تھے جو اپنے دشمن سے متحد ہوکر لڑتے تھے مگر آپس میں بھی اکثر ٹکراتے رہتے تھے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال قبل جب انھوں نے ہندوستانی مہذب لوگوں کو زیر کرلیا تو ان کی تہذیب سے کوئی چیز اختیار نہیں کی بلکہ یہ اپنے خانہ بدوشی تہذیب پر قائم رہے مگر جب یہ ہندوستان کے شمال مغربی زرخیز علاقے میں زیادہ عرصہ تک رہے تو انھوں نے خانہ بدوشی تہذیب کو دھیرے دھیرے ترک کرنا شروع کردیا اور زرعی تہذیب کو اختیار کیا۔ مگر عرصے تک یہ مختلف گاؤں میں آباد رہے اور شہر آباد کرنے کی طرف مائل نہ ہوئے مگر تقریباً ساڑھے تین ہزار سال قبل سے شہری زندگی کی ابتدا کی اور ابھی انھوں نے تہذیبی زندگی میں قدم ہی رکھا تھا کہ ان کے دو بڑے قبیلے آپس میں ٹکرا گئے جو مہابھارت کے المیہ سے

یاد کیا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی تقریباً ۶۰۰ء ق م تک چھوٹی چھوٹی بادشاہت کی بنیاد پڑ گئی تھی مگر ابھی تک یہ بڑی حکومت سے نا آشنا تھے مگر جب ایران کے دارا اول (Darius I) نے تقریباً ۵۰۰ء ق۔م میں ہندوستان پر حملہ کر کے شمال مغربی علاقوں کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا تو آریوں کے ذہن میں بڑی حکومت کا تصور اجاگر ہوا لہٰذا آرین خاندان نے چوتھی صدی قبل مسیح میں بڑی حکومت کی بنیاد رکھی اور اشوک بادشاہ نے اس تصور کو عروج پر پہونچایا لہٰذا یہ دور جو ۳۲۲ء ق۔م سے ۱۸۴ء ق م تک پھیلا ہوا تھا ہندوستان کا سنہرا دور کہلاتا ہے اس زمانے میں بدھ ازم کا عروج ہوا اور یہاں کے سماج نے ایک نیا پیرہن بدلا۔ پہلی صدی عیسوی میں کشانوں (Kushans) نے ہندوستان پر حملہ کر کے ایک بڑی حکومت کی بنیاد رکھی جس نے ایران۔ یونان اور روم سے بہت سی چیزیں ہندوستان میں داخل کی اس طرح یہاں کے سماجی پیرہن نے نئی شکل اختیار کی مگر یہ حکومت تیسری صدی عیسوی میں زوال پذیر ہوئی پھر چوتھی صدی عیسوی میں گپتا حکومت پھلی پھولی اس زمانے میں ہندو ازم نے پھر کروٹ بدلی اور پورے ہندوستان میں دوبارہ بدھ ازم اور جین ازم کے مقابلے میں ہندو ازم نئی شکل میں ظاہر ہوئی کیونکہ اس وقت دیوتا پرستی شروع ہو گئی تھی لیکن گپتا حکومت کے اختتام تک ہندو ازم میں قدامت پرستی پرورش پانے لگی وسعت نظری کے بجائے تنگ نظری جگہ لینے لگی اور جب بعد میں ہندوستان میں چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کی حکومت رہ گئی جو اپنی طاقت آپس کی لڑائی میں ختم کرتی رہتی تھیں یہ سلسلہ تقریباً دس صدی عیسوی تک قائم رہا جس کی وجہ سے ہندوستان اندرونی طور پر بہت کمزور ہو گیا تھا۔ مندروں کی حکومت مہاراجوں پر غالب ہو گئی حکمراں عیش پرستی میں مست تھے کھجراہ اور کنارک جس کے شاہد ہیں جہالت عام ہو گئی اس وقت افغانستان کے مسلم قبائلی سرداروں نے چھوٹی چھوٹی فوجوں کو لے کر ہندوستان کے علاقوں پر حملہ

کرنا شروع کر دیا اور اس طرح ہندوستان مزید کمزور ہو گیا بالآخر سولہویں صدی عیسوی میں مغلوں نے ہندوستان میں دوبارہ بڑی حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس وقت ہندوستانی تہذیب میں دوبارہ تبدیلیاں آنی شروع ہوئیں اور ایک مشترکہ تہذیب کی بنیاد پڑی اسلام اور ہندوازم کے اشتراک اور ٹکراؤ نے ہندوستان کو ایک نیا سماجی ڈھانچہ دیا۔

اس طرح اگرچہ ہندوستان میں سندھی تہذیب کی جمہوری نظام کے مقابلے میں مسلسل بادشاہوں کی حکومت رہی اور بادشاہوں کا حکم ہی قانون تھا مگر جب بھی ایمانداری انصاف پسندی اور جفاکشی کو بلند مقام حاصل رہا حکومت پائیدار رہی اور عوام میں خوشحالی رہی مگر جب بھی ان قدروں کا فقدان رہا اس وقت نہ حکومت پائیدار رہی اور نہ ہی عوام خوشحال رہے۔

چین:- چین میں تقریباً چار ہزار سال قبل سے گاؤں آباد ہونے شروع ہو گئے تھے لیکن وہاں تہذیب کی ابتدا تھوڑے ہی دیر بعد ہونے لگی اور ۱۵۰۰ ق.م میں شانگ خاندان نے تہذیب کی بنیاد مضبوط کی۔ یہ خاندان ۱۱۰۰ ق.م تک حکومت کرتا رہا ان کے یہاں مصر کے مثلث نما مقبرے کی الٹی شکل (Inverted - Pyramid) اپنے بادشاہوں کی یادگار میں بنایا جاتا تھا مگر بادشاہ پرستی نہیں تھی لہٰذا بادشاہ کو وہ بلندی حاصل نہ تھی بلکہ بادشاہ کی برتری جنگی اور انتظامی کامیابیوں پر موقوف تھی کیونکہ ان کے بادشاہوں کو شمال کے قبائیلوں سے مسلسل جنگ کرنی پڑتی تھی لہٰذا ان لوگوں نے اپنا دارالخلافہ تقریباً پانچ مرتبہ بدلا۔ اگرچہ ان کے پڑوسی علاقے ان کے خوف سے لرزتے تھے۔

ان لوگوں نے ایسی دستی تحریر ایجاد کی جو آج تک چین میں چند رد و بدل کے بعد مستعمل ہے ان کے کاریگروں اور دستکاروں نے کانسی پیتا تبہ۔ ہاتھی کے دانت

چاندی۔ سونا اور قیمتی پتھروں پر اپنے ہنر کا جو اظہار کیا وہ کافی مقبول رہا اس طرح اگرچہ ان کی تہذیب زرعی تھی مگر انھوں نے صنعتی تہذیب کی بنیاد صحیح طرز پر رکھی تھی۔ ان کے جنگی ہتھیاروں میں دو دھاری بڑے چاقو، بھالے اور تیر و کمان بہت اچھے طرز پر بنائے جاتے تھے اگرچہ یہ تمام کے تمام پیتل یا تانبہ کے ہوتے تھے کیونکہ اس وقت ان کو لوہے کا علم نہ تھا جنگ میں رتھ کا استعمال عام تھا۔

یہاں چونکہ مسلسل جنگ کرنی پڑتی تھی لہٰذا بادشاہ کے بعد فوجی اعلیٰ افسروں کا مقام تھا اس کے بعد انتظامیہ کے اونچے عہدیداروں کا۔ کاشتکاروں اور کاریگروں کا مقام ان سب سے کم تھا مگر جنگی غلاموں کا مقام سب سے کمتر تھا۔

شانگ خاندان کے بعد چاؤ (Chou) خاندان نے ۱۰۲۷ء سے ۲۲۱ء ق م تک حکومت کی مگر انھوں نے شانگ خاندان کی قریب قریب تمام چیزیں اختیار کرلی اور ان میں کچھ اضافہ کیا مگر ۴۰۳ء سے ۲۲۱ء ق م تک وہاں پر خانہ جنگی رہی اور پورا ملک چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منقسم ہوگیا لیکن (Ch'in) نے پھر بڑی حکومت کی بنیاد رکھی اور دیوارِ چین انھوں نے شمالی قبائلوں کے حملے سے بچنے کے لئے بنوایا۔ ان کے دور میں پھر چین نے کافی ترقی کی۔ حالات کے مطابق قوانین مرتب ہوئے۔ تول کے اوزان میں یکسانیت پیدا ہوئی۔ قدیم دستی تحریر میں مزید ترمیمات ہوگئیں۔

۲۰۶ء ق۔م میں چین خاندان کو ہان (Han) خاندان نے زیر کیا اور انھوں نے اپنی حکومت کے حدود کو جنوب شمال اور مغرب میں پھیلایا اور حکومت کو بہترین طرز پر چلایا۔ ظلم و زیادتی کو ختم کر کے انصاف کا دور دورہ کیا لوگوں میں جفاکشی اور ایمانداری کا جذبہ پیدا کیا مگر شانگ خاندان کی تہذیب سے کم ہی انحراف کیا یہ خاندان تقریباً ۲۲۰ء میں ختم ہوگیا۔ ہنس اور تاتاریوں کے حملوں نے ملک کو پارہ پارہ کردیا ملک میں پھر طوائف الملوکی پھیل گئی۔

۵۹۰ء میں سوئی (Sui) خاندان نے مضبوط حکومت قائم کی مگر ۶۱۸ء میں ختم ہوگئی اس کے بعد ٹنگ (Tang) خاندان نے ۹۶۰ء سے ۱۲۷۹ء تک حکومت کی اس دور میں انصاف پسندی عام ہوگئی۔ اور ملک میں خوشحالی بڑھی مگر جب تاتاریوں نے ملک پر قبضہ کر لیا اور تقریباً سو سال تک یہاں پر حکومت کی تو ملک کی حالت اکثر خراب رہی لیکن پھر منگ (Ming) خاندان نے تقریباً سو سال تک حکومت کی لہٰذا اس دور میں استقامت رہی۔ انتظامیہ بہتر طریقے کے کام کرتی رہی اور ملک میں خوشحالی عام ہوگئی مگر منچوز (Manchus) خاندان نے ان کو شکست دے کر ۱۶۴۴ء سے ۱۹۱۱ء تک حکومت کی اسی دور میں پھر ملکی حالت بہتر ہوگئی لوگ خوشحال ہوئے اور باہری دنیا سے اپنی تجارت کافی پھیلائی۔ ان کے چینی برتن۔ ریشم کے کپڑے اور کاغذ یورپ اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک میں کافی مقبول رہا۔

اب اندازہ ہوگیا ہوگا کہ چین میں ابتدا ہی سے بادشاہی طرز کی حکومت رہی وقتاً فوقتاً خانہ جنگی اور بدامنی کا دور رہا مگر جب بھی کوئی پائیدار حکومت رہی اس دور میں انتظامیہ بہتر رہی ظلم و زیادتی میں کمی رہی اور ملک میں خوشحالی عام ہوئی۔

یونان :- آرین کی طرح یونانی بھی مختلف قبائل میں منقسم تھے اور یہ بھی اس گروہ میں تھے جس سے آرین تھے اور وہی زبان بولتے تھے یہ لوگ شمال کی جانب سے یونان میں تقریباً چار ہزار سال قبل داخل ہوئے جو ابتدا میں مختلف قبیلے کے نام سے موسوم تھے مگر بعد میں سب اپنے آپ کو ہیلینس (Hellenes) کہنے لگے جس کے معنی یونانی ہوتا ہے مگر یہ متحد نہ تھے بلکہ ہر قبیلے کا ایک رہنما ہوتا تھا اور چند رہنما کر اپنے میں سے کسی ایک کو بادشاہ مقرر کر لیا کرتے تھے ان کا عام پیشہ گلہ بانی تھا مگر تھوڑی بہت کاشت کاری بھی کر لیا کرتے تھے علاوہ ازیں برتن بطور

اور زیورات بھی بنایا کرتے تھے مگر زندگی کا لطف لینے کے لئے یہ اکثر جنگ کرتے رہتے تھے۔

تقریباً ۸۰۰ ق م میں یونانیوں میں شہری حکومت کا تصور پیدا ہوا جب کہ عراق تقریباً ساڑھے چار ہزار سال قبل شہری حکومت کے دور سے گزر چکا تھا بہرحال یونانی ہر شہر میں ایک بلند مقام پر حفاظت کے لئے قلعہ بنانے لگے جب کہ عراق میں ہر شہر کے بلند مقام پر مندر بنایا جاتا تھا۔ یہاں بھی عراق کے طرز پر چند گاؤں اور قصبے ہر شہری حکومت کے ماتحت تھے جس سے شہری آبادی کو خوراک کے سامان فراہم ہوتا تھا ابتدا میں ہر شہری حکومت کا ایک بادشاہ ہوا کرتا تھا مگر بعد میں زمینداروں نے بادشاہت سنبھالی مگر جب تجار کا گروہ طاقتور ہو گیا تو انھوں نے بادشاہت چھین لی۔ اس سے مطلق العنانی پیدا ہو گئی جس کو عوام نے ختم کر کے جمہوریت قائم کی۔ مگر چند شہری حکومتیں افراد کے ماتحت رہیں۔ ان کے چند شہری حکومتوں میں جیسا سماج تھا ان کو بیان کیا جائے گا۔

اسپارٹا (Sparta) یہاں پر فوجی حکومت تھی۔ جہاں پر سات سال سے بچوں کو فوجی تربیت دی جاتی تھی اور تمام افراد فوجی کیمپوں میں رہتے تھے لہٰذا ان کی خاندانی زندگی تقریباً مفقود تھی ان کے گانے بھی رزمیہ تھے۔ کاشتکاری اور دیگر صنعتی کام غلام کرتے تھے جو اکثر بغاوت کرتے تھے۔

ایتھنس (Athens) میں بہترین بندرگاہ اور دھات کی کانیں تھیں جس کی وجہ سے وہاں پر ایک عمدہ شہری طرز کی زندگی ابھری۔ ۶۸۳ ق۔ م میں وہاں پر بادشاہت ختم کر دی گئی اور امراء کی حکومت قائم کی گئی جس کی وجہ سے وہاں پر غریب اور غریب ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اس نے اپنی تمام چیزیں قرض ادا کرنے میں ختم کر دیا اور خود امراء کا غلام بن گیا۔ اگرچہ کچھ آزاد کاشتکار مزدور اور دستکار بھی تھے آخر کار لوگ اس حالت سے تنگ آ گئے ۵۹۴ ق۔ م میں سوٹوں (Solon) کو اصلاح حال کے لئے مقرر کیا۔ اس نے جمہوریت کی بنیاد رکھی۔ جس میں درمیانی جگہ

کے لوگوں کو برتری حاصل ہوئی ان کا قاضی بھی شہریوں کا منتخب گروہ ہوتا تھا مگر جمہوریت کا عروج پاریکل (Pericles ۴۲۹ - ۴۶۹ ق کے دور میں ہوا جب کہ اس نے پارلیمنٹ کی بنیاد رکھی اور ان میں سے دس جنرل کا انتخاب کیا جاتا تھا جو منسٹر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ پاریکل پندرہ سال تک اس جمہوریت کا صدر رہا۔ اس دور میں اتھینس نے ہر میدان میں ترقی۔ دور دراز علاقوں سے تجارتی تعلقات پیدا کئے گئے ملک میں تعلیم عام ہوئی مگر ان کے مکانات۔ کپڑے اور کھانا بہت سادہ ہوا کرتے تھے۔ عورتوں کی تعلیم گھر میں ہوا کرتی تھی اور یہ عوامی مسائل میں بہت کم حصہ لیا کرتی تھیں۔ شام کا کھانا دیر تک چلتا تھا جس میں شراب ہوتی تھی علاوہ ازیں اس موقع پر گانے بھی ہوتے تھے اور علمی حلقوں میں مختلف قسم کے مسائل پر بحث و مباحثہ بھی چلتا تھا۔ شادی کے موقع پر کافی رونق پیدا ہوا کرتی تھی اگرچہ کھیل کود اور فوجی تربیت بھی ہوتی تھی۔ مگر زندگی میں آسانیاں پیدا ہونے کی وجہ سے عوام آرام طلب ہوگئی تھی لہٰذا ایران کے دو جنگوں نے ان کو کافی دھکا دیا اور پھر اسپارٹا نے اپنی فوجی طاقت کی بنا پر اتھینس کو برباد کر دیا۔ لہٰذا یونانی تقریباً سو سال تک ابھر نہ سکے۔ لیکن پھر مسوڈونیہ (Mecedonia) کے بادشاہ نے ان کے اندر جان ڈالی۔ اور اس کے لڑکے سکندر (Alexander) نے اپنی حکومت مشرق میں ہندوستان تک اور جنوب میں مصر تک بڑھائی۔

روم :- چار ہزار سال قبل اٹلی میں افریقہ۔ فرانس اور اسپین کے چند خاندان منتقل ہو گئے تھے اور وہاں پر مستقل طور پر رہنے لگے تھے پھر تقریباً چار ہزار سال قبل جب شمال کے قبائل حالات کے دباؤ سے جنوب کی جانب منتقل ہونے لگے تو ان کا ایک گروہ ہندوستان کی جانب بڑھا دوسرے نے یونان کی طرف اپنا رُخ کیا اور تیسرے نے ایلپس کی بلندی پر چڑھ کر جنوب کی جانب نظر دوڑائی تو ان کی توجہ اٹلی کی جانب ہوئی لہٰذا یہ لوگ اٹلی میں داخل ہوئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔

تقریباً تین ہزار سال قبل جدید روم کی پہلی شہری بنیاد ٹیبر (Tiber) دریا کے کنارے رکھی گئی جو ضلع لیٹین (Latuin) میں واقع تھا لہٰذا اس دور سے اُن کے زبان کا نام لیٹن (Letin) چلا آرہا ہے اگرچہ اٹلی میں اور دوسرے شہر بھی آباد ہوئے مگر روم کی اہمیت پہاڑ کی بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے زیادہ رہی کیونکہ یہ اس طرح بہترین قلعہ کا کام دے رہا تھا۔

ابتدائی رومیوں کے یہاں ایک بادشاہ ہوتا تھا قبائل کے سرداروں کا ایک سینیٹ (Senate) ہوتا تھا اور دوسرے شہریوں کی اسمبلی (Assembly) ہوتی تھی گر سینیٹ زیادہ طاقتور تھا لہٰذا تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل بادشاہت کو ختم کر کے جمہوریت کی بنیاد رکھی گئی۔ جمہوریت کے دور میں رومی شہری حکومت نے اٹلی کے دوسرے شہری حکومت کو مغلوب کر کے اپنے زیر اثر کر لیا اس طرح ۲۹۵ ق م میں روم کی حکومت پورے اٹلی میں قائم ہو گئی۔

اس دور میں رومیوں کے لوگ گروہوں میں منقسم تھے ایک اونچا طبقہ جو سینیٹ میں ہوتا تھا یہ طبقہ قانون لاگو کرتا تھا اور جج بھی ہوتا تھا دوسرا نچلا طبقہ تھا جو ان کے ظلم و زیادتی کا شکار ہوتے تھے گر ۴۹۴ ق.م میں نچلے طبقے نے بغاوت کر دی جس کی بنا پر ان کو کچھ حقوق دیے گئے پھر ۴۵۴ ق.م میں قوانین بنائے گئے جن کو بارہ تختیوں پر لکھا گیا اور یہ عوام میں تقسیم کئے گئے اس طرح عوام ججوں کی بے انصافی کی گرفت کرنے لگے اور پھر بعد میں نچلے طبقے سے لوگ جج ہونے لگے اس طرح پھر ان کے یہاں جفاکشی۔ ایمانداری اور انصاف پسندی کا دور دورہ ہوا اور ان کے مزید فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ تقریباً سو سال (۲۶۴ سے ۱۴۶ ق.م) تک شمالی افریقہ سے سسلی پر قبضہ کرنے کے لئے جنگ ہوتی رہی اور شمالی افریقہ کو شکست دینے کے بعد یونان اور ترکی پر قبضہ کر لیا اور مصر ان کے زیر نگیں ہو گیا ان جنگوں کے نتیجہ میں روم میں کافی مال و دولت اور غلاموں کی بہتات ہو گئی جس سے رومی آرام طلبی میں مبتلا ہو گئے۔ جس طرح اسلامی فتوحات کے بعد عربوں کا حال ہوا

تھا مالدار لوگ بد ترین طور پر اپنے مال و دولت کی نمائش کرنے لگے اور اس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں مبتلا ہو گئے علاوہ ازیں سازش کا عام ماحول ہو گیا غریب دن بدن غریب تر اور امیر امیر تر ہوتے گئے جس کے نتیجے میں ملک میں بے چینی بڑھی غربار نے بغاوت کی اور غلاموں نے متحد ہو کر علم بغاوت بلند کیا اور ۲۳ ق.م میں یہ اپنے بلندی پر پہونچ گئی جس کو دبانے کے لئے رومیوں کو تقریباً ایک سال لگا

مسلسل جنگ کی بنا پر فوجی آفیسر کافی طاقتور ہو گئے تھے اور دھیرے دھیرے اسمبلی کی طاقت کم ہوتی گئی اور غلاموں کی بغاوت کو کچلنے کے بعد دو فوجی آفیسر پامپی (Pompey) اور جولیس قیصر (Jolius Caesar) کافی طاقتور ہو گئے جو آپس میں ٹکرا گئے جس میں قیصر کامیاب ہوا مگر مصری شاہزادی کلوپیٹرہ (Cleopatra) کی خوب صورتی سے متاثر ہو کر کافی دن مصر میں مقیم رہا لیکن ۴۶ ق م میں روم واپس آ کر اسمبلی کو ختم کر کے مطلق العنان کی بادشاہ بن گیا مگر کافی اصلاحات رائج کیں جس سے پورے رومی حکومت میں اطمینان کا سانس لیا گیا کیونکہ اس سے غربار کو امرار کی ظلم و زیادتی سے راحت ملی مگر قیصر دو سال ہی کے بعد قتل کر دیا گیا مگر اس کے بعد رومی حکومت قائم رہی اگرچہ ان کے اندر آرام طلبی دن بدن پھر بڑھنے لگی تھی جس کے نتیجے میں ۴۷۶ء میں رومی حکومت کا مغربی حصہ پارہ پارہ ہو گیا مگر مشرقی حکومت کافی مضبوط رہی جو ایرانی حکومت سے اکثر ٹکراتی رہی۔

عام طور سے فتوحات کے بعد جب غلاموں اور مال و دولت کی فراوانی ہوتی رہی تو لوگ تعیش میں مبتلا ہوتے رہے اور جب دولت کی کمی ہوتی تھی تو غریبوں پر ظلم و زیادتی کر کے اپنے تعیش کا سامان فراہم کیا جاتا تھا لیکن ظلم و زیادتی حد سے بڑھنے کے بعد بغاوت ہوتی رہی جس کے نتیجے میں اصلاح ہوتا تھا اور کچھ مدت کے لئے غریبوں کو نجات ملتی رہی لیکن پھر وہی تعیش کا دور شروع ہو جاتا تھا خواہ وہ فتوحات کا نتیجہ ہوں یا غربار پر ظلم و زیادتی سے حاصل ہو۔

مذہبی ارتقاء

انسان تقریباً پچاس ہزار سال قبل اس دنیا میں پیدا کیا گیا اور اس کی کہانی تین حصوں میں تقسیم کی جاتی ہے مثلاً جدید ماقبل تاریخی دور (Protohistoric period) قدیم ماقبل تاریخی دور (Prehistoric period) اور تاریخی دور جو تحریرات میں موجود ہیں شروع کے دونوں تاریخی ادوار کا علم علوم آثار قدیمہ کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا ابتدا ہی سے انسانوں کی رہنمائی کے لئے پیغمبر بھیجتا رہا ہے مگر علوم آثار قدیمہ اس دعویٰ کی تصدیق نہیں کرتا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ زمانہ قدیم میں پیغمبروں کی دعوت عوام نے قبول نہ کی ہو لہٰذا ان کی دعوت کے آثار باقی نہ رہ سکے ہوں یا انسان کے ابتدائی تیس ہزار سالہ دور میں ہر چیز تحریر کے بجائے زبانی یاد رکھی جاتی تھی لہٰذا ان کے آثار باقی نہ رہ سکے ہوں بہرحال آثار قدیمہ کی مدد سے اب تک جو مذہبی خیالات سامنے آئے ہیں ان کو بالترتیب بیان کیا جاتا ہے تاکہ مذہبی خیالات کا ارتقاء سامنے آ سکے۔

قدیم ماقبل تاریخی دور

انسان کے ابتدائی تیس ہزار سالہ دور میں کوئی ایسی نشانی نہیں ملتی ہے جس سے اندازہ ہو سکے کہ اس دور کے انسان کے مذہبی خیالات کیا تھے۔

لیکن بیس ہزار سال قبل سے غاروں کے تاریک حصوں میں مختلف جانوروں اور انسانوں کی تصویریں ملنے لگتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں انسان دیویوں کی پرستش کرتا تھا مگر جدید دور میں آسٹریلیا کے شمال اور شمال مغربی علاقوں میں ایسے قبیلے آباد ہیں جو اس وقت تک اپنے شکاری تہذیب پر قائم ہیں اور آج تک انھوں نے تیر و کمان کا استعمال بھی نہیں سیکھا ہے اس طرح وہ اب تک اس تہذیبی دور میں ہیں جو انسان نے تقریباً چالیس ہزار سال قبل ایجاد کیا تھا اور تقریباً اسی وقت چند افراد جانوروں کے پیچھے سمندر کو تیر کر آسٹریلیا میں داخل ہوئے کیونکہ اس وقت برفانی دور کی بنا پر سمندر کی تہ کافی نیچی ہو گئی تھی۔ ان سے گفتگو کرنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں خدا اور آخرت کا پیچیدہ سا تصور موجود ہے۔

تقریباً پندرہ ہزار سال قبل انسان اپنے مُردوں کو دفنانے کا جو طریقہ استعمال کرتا تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ روح پر یقین رکھتا تھا جو مردہ جسم میں دوبارہ داخل ہو کر بھوت کی شکل اختیار کر لیتی تھی اور اپنے ہم نسل لوگوں کو پریشان کرتی تھی۔

تقریباً دس ہزار سال قبل سے ایسی قبریں ملنی شروع ہو جاتی ہیں جن پر بڑے بڑے پتھر (Magalithic) رکھے جاتے تھے۔ تاکہ ان قبروں کے نشانات باقی رہیں اور ان قبروں کو مشرق سے مغرب کی جانب رکھا جاتا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس وقت سے انسان کے اندر اجداد پرستی کا رواج ہو گیا تھا اور سورج پرستی کی جانب رجحان بڑھ رہا تھا۔

جدید ما قبل تاریخی دور

عراق کے شمال مشرقی علاقے (جارمو۔ Jarmo) میں جو کھدائی ۱۹۴۸ء شروع ہوئی تھی اس سے یہ اندازہ ہوا کہ وہاں پر تقریباً آٹھ ہزار سال قبل سے انسان نے مٹی کے برتن بنانا شروع کر دیے تھے اور وہ مٹی کی چھوٹی چھوٹی دیویاں بھی بناتا تھا جو دیوی پرستی کی تصدیق کرتی ہے۔

سات ہزار سال قبل سے پانچ ہزار سال قبل کے دور میں چھوٹے چھوٹے گاؤں بڑے بڑے شہروں میں تبدیل ہونے لگے اور ان کے مندر بلند مقامات پر بنائے جانے لگے اور ہر شہر اپنا الگ الگ دیوتا مقرر کرنے لگا۔ ہر مندر کا پنڈت شہر کا رہنما ہونے لگا مگر جنگ کے دوران ایک وقتی بادشاہ مقرر کر لیا جاتا تھا۔ ان کے دیوتا فطری قوتیں تھے ان میں بھی دیوی مانی جاتی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ عالم کا پورا نظام دیوتاؤں کے متفقہ فیصلے سے چلتا ہے۔ یہ تمام معلومات نیپرا اور لیگاش وغیرہ کے مقامات پر کھدائی کی بنا پر حاصل ہوئے ہیں۔

تاریخی دور

تقریباً پانچ ہزار سال قبل سے مصر، عراق، ہندوستان اور چین میں بڑی بڑی تہذیبیں ابھرنی شروع ہو گئی تھیں اور ان کے یہاں لکھنے کا رواج تھا لہٰذا یہ تاریخی دور میں شامل ہیں حالانکہ علوم آثار قدیمہ کی مقبولیت کے قبل یہ جدید ما قبل تاریخی دور میں شامل کیا جاتا تھا۔ ان کے مذہبی خیالات کیا تھے الگ الگ بیان کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں دوسرے چھوٹے علاقوں میں جہاں مہذب آبادیاں تھیں ان کے بھی مذہبی خیالات کا تذکرہ کیا جائے گا تاکہ ایک عالمی مذہبی نقشہ سامنے آسکے۔

مصر: تقریباً پانچ ہزار سال قبل مصری اپنی تہذیب کے عروج کو پہونچ چکے تھے اگرچہ وہ مختلف اوقات میں مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے ان میں سورج دیوتا۔ ہوا دیوتا۔ نمی دیوی اور آسمانی دیوی قابل ذکر ہیں۔ ہر فرعون (مصری بادشاہ اوسیرس (Osiris) کی اولاد مانا جاتا تھا لہٰذا فرعون کو دیوتا مانا جاتا تھا اور پنڈتوں کو کو زیادہ اہمیت حاصل نہ تھی مگر آخری دور میں سورج و ہوا دیوتا (Amon-Re) کے ماننے والوں کا گروہ اتنا طاقتور ہو گیا تھا کہ فرعون کی بادشاہت کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ ان کے یہاں آخرت کا تصور موجود تھا لہٰذا ان کے بادشاہوں کے بڑے بڑے مقبرے تیار کئے جاتے تھے اور ان میں ان کے پسند کی تمام چیزیں رکھ دی جاتی تھیں اس لئے مصری اہرام تمام دنیا میں مشہور ہیں

ایک فرعون جو تقریباً ۱۳۷۰ ق.م میں پیدا ہوا اس نے بہت سے خداؤں کے بجائے ایک خدا کا تصور دیا جو محض علمی حلقے میں مقبول رہا اور عوام تک نہیں پہونچ سکا۔ پنڈتوں نے اس کی سخت مخالفت کی جس کی وجہ سے ایک خدا کا تصور مقبول نہ ہوا۔

تقریباً ۱۲۰۰ ق.م میں حضرت موسیٰ پیدا ہوئے جنھوں نے پھر خدائے واحد کا تصور پیش کیا مگر وہ اسرائیلی قبیلے کو ساتھ لے کر مصر کے باہر چلے گئے کیونکہ ان کی دعوت مصری عوام میں مقبول نہ ہو سکی۔

عراق: تقریباً پانچ ہزار سال قبل سمیرین تہذیب (Somerian - civilisation) اپنے عروج پر تھی اس وقت ہر شہر میں الگ الگ دیوتاؤں کے مندر تھے ان کو زندہ مانا جاتا تھا لہٰذا روزانہ ان کو کھانا پیش کیا جاتا تھا۔ مندر کے پنڈت کو مذہبی اور انتظامی امور کا رہنما مانا جاتا تھا تقریباً ساڑھے چار ہزار سال قبل اکد کے بادشاہ سرگان (Sargon of Akkad) نے سمرین شہروں پر قبضہ کر لیا اور پہلی مرتبہ عراق میں بڑی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ انھوں نے ہر شہر کے دیوتا

کو برقرار رکھا مگر اپنے گو ہر دیوتا سے بلند رکھا۔ تقریباً چار ہزار سال قبل بابل خاندان کی بنیاد پڑی جن میں حمورابی Hammorabi کافی مشہور بادشاہ گزرا ہے اس نے نئے قوانین بنائے جن کو اس نے اس پتھر پر کھدوائے جس کے اوپری حصے میں وہ اپنے دیوتا کے سامنے کھڑا ہوا دکھایا گیا ہے۔

جس طرح حضرت نوح کے کشتی بنانے اور اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ سیلاب کے موقع پر بچکر نکل جانا الہامی کتابوں میں آتا ہے اسی طرح عراق کی تاریخ میں ملتا ہے کہ وہاں کے ایک نیک بادشاہ زدسدرہ (Zeusudra) جو تقریباً پانچ ہزار سال قبل حکومت کرتے تھے سات دن تک ایک بڑی کشتی میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سفر کرتے رہے اور سیلاب کی بربادیوں سے بچ گئے۔ انھوں نے یہ کشتی اپنے دیوتاؤں کے حکم سے بنائی تھی۔ اگرچہ اس بات کا امکان ہے کہ یہ حضرت نوح کا واقعہ رہا ہو جو بعد میں کچھ تبدیل ہو کر اس تحریری شکل میں آگیا ہو کیونکہ یہی حضرت نوح کے پیدائش کا زمانہ معلوم ہوتا ہے۔

تقریباً چار ہزار سال قبل سمرین تہذیب نے پھر انگڑائی لی اور اُر میں ترقی کے آثار نظر آنے لگے مگر یہ پائیدار نہ رہ سکی یہودیوں کے بموجب یہی وہ زمانہ ہے جب حضرت ابراہیم اُر میں پیدا ہوئے۔

حمورابی کے پیدائش اور پرورش کے متعلق ایسے ہی قصے تحریر ہیں جیسے حضرت موسیٰ کے متعلق ہے اور بچپن میں دریا میں پھینک دیئے گئے اور بادشاہ وقت کے محل میں پرورش پائی۔ اور اس نے بھی نئے قوانین مرتب کئے جو اس زمانے کے بہترین قوانین تھے۔

ہندستان:- ہندوستان میں جو تہذیب تقریباً پانچ ہزار سال قبل سے تقریباً چار ہزار سال قبل پھلی پھولی اس کے متعلق موہن جوداڑو

Mohan-jodaro اور ہڑپا (Harrapa) میں کھدائی سے حاصل شدہ مواد کی بنا پر پتہ چلتا ہے ان کو لکھنے کا علم تھا مگر ابھی تک ان کی دستی تحریرات پڑھی نہیں جا سکی ہیں لہذا ان کی تحریروں سے علم حاصل کرنا مشکل ہے جب کہ مصری اور دیمرین زبانوں کی دستی تحریریں پڑھی جا چکی ہیں لہذا ان دونوں تہذیبوں کا علم خود ان کی تحریروں سے بہت حد تک معلوم ہو جاتا ہے۔ بہر حال ہندوستانی تہذیب میں کوئی مندر موجود نہ تھا اگرچہ دیوی اور دیوتا کے قبر عام تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذہب انفرادی تھا اور حکومت مذہبی رہنما کے ماتحت نہیں تھی اگرچہ بڑے بڑے ہال موجود تھے جو انتظامی اور مذہبی مقصد کے لئے ہو سکتے تھے۔ دیوتاؤں میں شیوا (Siva) اور دیویوں میں ماں دیوی (Mother-Goddess) کا مقام بلند تھا۔ پیپل کے درخت کو بڑی مذہبی حیثیت حاصل تھی۔ شہر میں بڑے بڑے تالاب تھے جن میں سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں جیسا کہ اب ہندوستانی مندروں کے احاطوں میں عام ہے۔

تقریباً چار ہزار سال قبل آرین ہندوستان میں شمال مغربی جانب سے داخل ہوئے اور تقریباً اسی وقت ان کے چار رشیوں پر چار کتابوں کا الہام ہوا جو ویدوں کے نام سے مشہور ہیں اس کے باوجود بھی آرین ابتدا میں فطری قوتوں کی پوجا کرتے تھے اور کوئی عبادت گاہ نہیں بناتے تھے۔ دھیرے دھیرے یہ چبوترے بنانے لگے جو قربان گاہ کا کام دیتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آرین قدیم ہندی تہذیب کو اختیار کرنے لگے لہذا ان کے یہاں بھی شیوا کی پرستش شروع ہوگئی اور پیپل کے درخت کو وہی پرانی مذہبی حیثیت حاصل ہوگئی۔ ماتا دیوی کالی اور چنڈی دیوی کے نام سے پوجی جانے لگی۔ اس طرح تقریباً ۳۰۰۰ء سے دیوتا پرستی اور تقریباً ۶۵۰ء سے دیوی پرستی کا رواج عام ہوگیا۔

سوامی دیانند نے ویدوں (جو سب سے قدیم الہامی کتابیں ہیں اگرچہ اس کے کافی امکانات ہیں کہ یہ تحریف شدہ ہیں) کے مطالعہ سے ہندوازم کے انیسویں صدی کی شکل پر سخت تنقید کرنا شروع کردی اور ہندوازم کی ایک صالح صورت مرتب کی جس میں توحید۔ آخرت اور ایمانداری وغیرہ کو خاص اہمیت دی۔ ان صالح صورت کے ماننے والوں کو آریہ سماجی کہا جاتا ہے۔ آریہ سماج کو ہندوستانی اسلام کے نام سے بھی یاد کیا جاسکتا ہے یا کم ازکم آریہ سماجیوں کو اہل کتاب مانا جاسکتا ہے۔

چین:۔ چین کی پہلی تہذیب (شانگ - Shang) تقریباً چار ہزار سال قبل ابھری ان کے یہاں اجداد پرستی عام تھی۔ اگرچہ فطری قوتوں کی بھی پرستش ہوتی تھی مگر یہ لوگ بھی مصریوں کی طرح آخرت کے تصور کو مانتے تھے لہٰذا ان کے یہاں بھی بڑے بڑے بادشاہوں کے مقبرے اہرام (Pyramid) کے بجائے اُلٹے اہرام (Inverted pyramid) کے طرز پر بنائے جاتے تھے جن میں ان کی پسند کی چیزوں کے علاوہ اکثر بہت سے لوگوں کو ان کے ساتھ دفن کر دیا تھا تاکہ وہ دوسری زندگی میں ان کے نوکر کی حیثیت سے کام آئیں۔

تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل چین کی مرکزی حکومت ٹوٹ گئی اور تقریباً تین سو سال تک چین میں کوئی مرکزی حکومت قائم نہیں ہوسکی۔ اس دور میں کنفوسیس (Confucius) اور منسیس (Mencius) نے چین کو نئے خیالات سے روشناس کرایا۔ تقریباً دو ہزار سال قبل سے چین میں بدھ ازم کا رواج ہوا۔

کنعان یہ اسرائیل۔ لبنان اور شام کا ساحلی علاقہ ہے جس سے گزر کر سمیرین اور مصری کاروبار کرتے تھے۔ علاوہ ازیں اسیرین (Assyrians)

اور ہٹائٹ (Hittites) ان علاقوں سے گزر کر مصر پر حملہ کیا کرتے تھے۔
اس بنا پر یہاں کے لوگ تہذیب سے اچھی طرح آشنا ہونے کے باوجود خانہ
بدوشی طریقوں پر قائم تھے۔ یہ خود کنعانی (Cannanites) یا
فونیشیں (Phoenicians) کے نام سے جانے جاتے تھے یہ تقریباً ساڑھے تین
ہزار سال قبل اپنی ترقی کے عروج پر تھے۔ ان کا اپنا دیوتا بال (Baals) کے نام
سے جانا جاتا ہے جس کے لیئے وہ جانوروں کے علاوہ انسانوں کی قربانی کرتے
تھے۔ ان کی دیوی کو جنگ، خون خرابہ اور جنسی کشش میں گہری دلچسپی تھی۔ ان کی
تہذیب میں گول ٹوپی کا عام رواج تھا جو اب اسلامی تہذیب کا عنصر مانا جاتا ہے۔

کریٹ

یہ ایک ایسا جزیرہ ہے جو یونان سے زیادہ قریب ہے کہا جاتا ہے کہ
یہاں کی تہذیب ابتدا میں یونان میں پہونچی اور پھر وہاں سے تہذیب کی شمع تمام
یورپ میں روشن ہوئی۔ یہاں کی تہذیب منوان (Minoan culture) کے
نام سے مشہور ہے۔ جو تقریباً چار ہزار سال قبل سے ساڑھے تین ہزار سال قبل تک
پھلی پھولی

اس تہذیب میں کوئی مندر نہیں ہوتا تھا غار ہی مندر کا کام کرتے تھے۔
یہاں کوئی دیوتا نہ ہوتا تھا بلکہ دیویاں ہی ہوتی تھیں جن کو مختلف قسم کی قربانی پیش
کی جاتی تھیں۔

یونان:۔ یونان کی تہذیب تقریباً چار ہزار سال قبل سے شروع ہوتی ہے اور اس
تہذیب کے بانی میسینین Mycenaens کہلاتے ہیں جو تقریباً
پانچ سو سال تک باقی رہی اس کے بعد خانہ جنگی اور باہر کے حملے نے اس تہذیب کو

بوبادکر دیا۔ پھر دوبارہ تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل سے ابھرنی شروع ہوئی اور جلد ہی ہی بہترین تہذیب بن گئی۔

پہلی تہذیب میں ان کے بہت سے دیوتا تھے جن کو وہ انسان جیسا سمجھتے تھے ان میں سورج دیوتا۔ سمندر دیوتا اور آسمان دیوتا قابل ذکر ہیں علاوہ ازیں کامیابی کی دیوی کا نام آتھینہ (Athena) تھا ان کے یہاں کوئی مندر نہ تھا بلکہ ان کا خیال تھا کہ تمام دیوتا جبل اولمپس (Mountain Olympus) پر رہتے ہیں۔ ان کے مذہبی رسوم گھر کے رہنما یا بادشاہ کی رہنمائی میں انجام پاتے تھے۔

نئی تہذیب میں تقریباً تمام پرانے دیوتا برقرار رہے مگر سورج دیوتا کی یاد میں اولمپک کھیل Olympic game شروع کیا گیا جو اب عالمی شہرت حاصل کر چکا ہے اور ہر چوتھے سال منایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس دور میں بہت سے فلسفے ابھرے اور انہیں کافی ترقی ملی۔ ان میں ڈیموکریٹس (Democrates) خدا اور روح کے منکر تھے سوفسٹس (Sophists) خدا اور روح کے وجود کو تسلیم کرتے تھے مگر سچائی کو معروضی سمجھتے تھے۔ لیکن یونان کا سب سے مشہور فلسفے کا وہ اسکول جس کے بانی سقراط (Socrates) افلاطون (Plato) اور ارسطو (Aristotle) ہیں اس کا خیال تھا کہ سچائی معروضی کے بجائے حتمی ہوتی ہے مگر اس کو اپنے زمانے میں مقبولیت نہ ہو سکی کیونکہ اس اسکول کا رویہ ناقدانہ تھا اور اس کے نمائندہ فلسفی ہر اس چیز کا انکار کرتے تھے جو ان کے فلسفہ کی گرفت میں نہ آسکے۔

روم:- رومی تہذیب کی پہلی بنیاد اٹراسکن (Etruscans) نے رکھی جو تقریباً ۸۰۰ ق م سے شروع ہوئی اور تقریباً ۵۰۰ ق م میں ختم ہو گئی۔ ان کے یہاں بھی یونانیوں کے طرز پر بہت سے دیوتا تھے مگر ان میں سورج دیوتا سب سے بڑا تھا۔ جس کو وہ ٹینیہ (Tinia) کے نام سے یاد کرتے تھے۔ ان کے یہاں

آخرت کا تصور بہت غالب تھا لہٰذا یہ اپنے مردوں کے مقبرے بہت عمدہ بناتے تھے۔ ان میں ان کے پسند کی چیزیں رکھتے تھے ان کے مندروں میں پنڈت کی رہنمائی میں مذہبی رسومات ادا کئے جاتے تھے۔

ابتدائی رومی تہذیب میں ہر شہر آزاد تھا مگر جب بادشاہ ٹارکیورس (Tarquins) نے اپنی حکومت کی حدود پھیلا کر روم پر ۶۱۶ ق م تک حکومت کی تو اس وقت سے رومیوں کے اندر بڑی حکومت قائم کرنے کا جذبہ ابھرا پھر بعد میں بڑی حکومت کی شکل میں تبدیل ہو گیا ان کے یہاں بھی اتنے ہی دیوتا تھے جتنے یونانیوں میں تھے مگر ان کے نام سیاروں پر رکھے گئے تھے۔ ان کے یہاں ہر کام شگن دیکھ کر کیا جاتا تھا جیسا کہ ہندوستان میں عام ہے مگر تقریباً ۳۲۵ء سے عیسائیت کو حکومت کا مذہب قرار دیدیا گیا۔

قبیلائی تہذیب مہذب تہذیبوں کے شمالی علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی ان کو دو خاص تہذیبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ مثلاً کلٹک (Celtic) جو یوروپ میں پھیلی ہوئی تھی اور دوسری اسکائی تھیس (Scythien) کہلاتی تھی جو سائبیریا سے بحر اسود تک پھیلی ہوئی تھی۔

کلٹک:- یہ خانہ بدوش گروہ جنگلات اور میدان میں اپنے جانور کے جھنڈ لے کر پھرا کرتے تھے مگر تھوڑی بہت کاشتکاری بھی کر لیا کرتے تھے۔ یہ بہت ہی جنگجو قبیلہ تھا اور ان کے جنگی اوزار کافی عمدہ ہوا کرتے تھے۔ میدان میں جنگ کرنے کے بجائے ان کو ان کے قلعوں میں بند کر کے رومیوں نے ان کو زیر کیا۔

ان کے مذہبی رہنما ڈروڈس (Druids) کہلاتے تھے جو قبیلہ کے سرداروں کو مشورہ بھی دیا کرتے تھے علاوہ ازیں ان کے مشورے جج اور استاد کو بھی حاصل تھے

شاہ بلوط (Oak) کو یہ پاکیزہ درخت شمار کرتے تھے (یہ رسم عیسائیوں میں اب بھی ہے کیونکہ میلاد مسیح (Chrismas) کے موقع پر شاہ بلوط کی شاخیں گھروں میں رکھی جاتی ہیں) ان کے یہاں بہت سے دیوتا تھے جن کے نام مختلف تھے جن میں تین سروالا دیوتا سب سے بڑا تھا۔ ان کے مذہبی رسوم میں انسانی قربانی بھی شامل تھی ان کے یہاں آخرت کا تصور موجود تھا لہٰذا ان کے مردوں کے مقبرے کافی شاندار ہوتے تھے جن میں ان کے پسند کی تمام چیزیں رکھی جاتی تھیں۔

اسکائی تھین:- یہ بھی کلتگ طرز کا جنگجو قبیلہ تھا مگر یہ بہت بڑے علاقہ میں پھیلا ہوا تھا گھوڑ سواری میں اس قبیلہ کے لوگوں کا کوئی مدمقابل نہ تھا مہذب دنیا نے گھوڑ سواری کا ہنر انہیں سے سیکھا۔ ان کے ایک گروہ نے بحر اسود کے شمالی علاقے میں کاشتکاری شروع کر دی جس کے متعلق ہیروڈوٹس (Herodotus ۶۶۰ ق م) نے کافی تفصیل سے لکھا۔

ان کے مذہبی خیالات اور رسومات تقریباً وہی تھے جو کلتگ تہذیب میں موجود تھیں جبل الٹائی (Altai Mountain) میں پیزیرک مقبرہ (Pazirik tomb) کی کھدائی ہوئی جو پانچویں صدی قبل مسیح میں بنائی گئی تھی تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ کتنی قیمتی چیزیں اپنے بادشاہ کے مقبرے میں دفناتے تھے۔

یہ تو رہے ان لوگوں کے مذہبی خیالات اور رسومات جو پرانی دنیا میں رہتے تھے اب نئی دنیا یعنی امریکہ میں رہنے والوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔

میکسیکو:- یہ شمالی امریکہ کا گرم مرطوب علاقہ ہے یہاں تقریباً چار ہزار سال قبل تہذیب کی بنیاد پڑی جو مکئی کی کاشتکاری سے شروع ہوئی تیسری صدی عیسوی میں ختم ہو گئی جو مایا تہذیب کے نام سے مشہور ہے۔

ان کے دیوتا سورج اور چاند تھے جن کی پرستش کے لئے وہ بڑے مثلث نما (Pyramid) مندر بناتے تھے ان کے مذہبی رسومات پنڈت کے ذریعہ ادا کئے جاتے تھے بعد میں کئی دیوتا۔ پانی دیوتا اور سانپ دیوتا کا اضافہ ہوا انسانی قربانی کا عام رواج ہوگیا تھا جس کے لئے قربانی کا کنواں بنایا گیا تھا۔

انکا (Inca):۔ تقریباً ساڑھے چار ہزار سال قبل جنوبی امریکہ کے شمال مغربی علاقے ہیں وہاں کے لوگ سیم، کدو اور روئی کی کاشت کاری کرتے تھے پھر بعد میں آلو کی کاشت کاری کا بھی عام رواج ہوگیا تھا۔

ان کے مندر بھی مثلث نما ہوتے تھے ان کا خاص دیوتا سورج تھا مگر انکے یہاں بلی دیوی کا اضافہ ہوگیا تھا ان کے یہاں مذہبی رسومات ایک خاص موسم میں ادا ہوتی تھیں لہذا مندر آبادیوں سے کافی دور بنایا جاتا تھا جس کی نگرانی پنڈت کرتا تھا مگر بادشاہ سورج دیوتا کی اولاد مانا جاتا تھا لہذا شاہزادے اپنی بہن سے شادی کرتے تھے تاکہ دیوتاؤں کی فہرست میں کوئی دوسرا نہ شامل ہوسکے۔

افریقہ کے شمال مشرقی اور شمال مغربی علاقوں میں بھی چھوٹی چھوٹی تہذیبیں ابھریں مگر اختصار کی خاطر ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے کیونکہ مصر کا تذکرہ کافی تفصیل سے آچکا ہے۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر تہذیب میں ابتداً فطری قوتوں کی پرستش ہوتی تھی مگر کوئی پرستش گاہ نہ ہوتی تھی جب تہذیبیں شہری حکومت کی حالت میں آئیں تو ہر شہر کا ایک فطری دیوتا ہونے لگا جس کا مندر شہر کے بلند ترین مقامات پر بنایا جانے لگا اور مندر کا پنڈت مذہبی اور سماجی رہنما ہونے لگا مگر جب بڑی حکومتیں وجود میں آئیں تو بادشاہ کا مقام سب سے بلند ہوگیا اور وہ دیوتا کی اولاد مانا جانے لگا اگرچہ اس دور میں الہامی شریعت کی موجودگی کے اشارے ملتے ہیں مگر عملی طور سے بادشاہ کے الفاظ ہی قانون ہوتے تھے[۲۳]

اختتام

اب اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کوئی ترقی یافتہ چیز جامد نہیں ہے بلکہ اس میں مسلسل تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور جن میں جمود پیدا ہو جاتا ہے وہ یا تو بے حیثیت ہو جاتی ہے یا بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ کوئی تہذیب ہو یا قانون (فقہ) ہو یا حکومت ہو۔

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

قدیم تہذیبوں اور بعد کے بادشاہی ادوار کے حالات کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ابتدا میں انسان خدا کو فطری قوتوں کی تشکل میں پہچانتا تھا مگر جب سماج میں جمود عام ہوا تو شاطر لوگوں نے مذہبی اور سماجی رہنما کا مقام حاصل کر کے ان فطری قوتوں کے مندر بنا کر ان میں بیٹھ گئے اور ان کی پرستش شروع ہو گئی علاوہ ازیں بادشاہت کے ابتدائی دور میں بادشاہ دیوتا کی اولاد قرار دیئے گئے اور پھر سب سے بڑا دیوتا بن گئے اس طرح بادشاہ کی تشکل میں خدا کی عبادت ہونے لگی اور اس کا ہر حکم خدا کا قانون بن گیا اگرچہ مصر اور ہندوستان میں اس کے

شواہد موجود ہیں کہ وہاں پر فطری اخلاقی قوانین موجود تھے جس کے مطابق ملک کا انتظام چلنا چاہیئے مگر بادشاہ ان کے پابند نہ تھے بعد میں بہت سے دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش کا رواج عام ہوا لیکن یہودیت ۔ عیسائیت اور اسلام کی مقبولیت کی بنا پر توحید کا تصور اجاگر ہوا ۔ اس طرح یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ فطرت پرستی سے شروع ہو کر دیوتا پرستی سے گزر کر توحید کا تصور بالترتیب سامنے آتا ہے ۔

مختلف ادوار کے سماجی حالات کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ کسی قوم یا ملک کی ترقی کے لئے ایمانداری ۔ انصاف پسندی اور جفاکشی بنیادی ستون ہیں اور جس حدتک یہ قدریں کسی قوم یا ملک کی اکثریت میں موجود ہوں گی اسی حدتک ان کی ترقی ہوگی اور جہاں بھی ان کا فقدان ہوگا وہ علاقہ یا تو بے حیثیت ہو جائے گا یا کسی دوسرے ترقی یافتہ علاقے کا غلام ہو جائے گا ۔

اس مطالعے سے اسلامی احیائی تحریکوں کو بڑی رہنمائی مل سکتی ہے کہ اسلام کا احیاء چودہ سو سالہ عرب تہذیب کی احیاء میں نہیں ہے اور نہ ہی اس دور کے رسم و رواج کی سختی کے ساتھ پابندی پر موقوف ہے ، بلکہ ایمانداری انصاف پسندی اور جفاکشی کی مسلم اکثریت میں موجودگی ہی اسلامی احیاء کی ضامن ہو سکتی ہے جو ایک مضبوط مرکزی حکومت (خلافت) کی موجب ہو سکتی ہے جو اسلام کا ایک اہم بنیادی تصور ہے اور یہی سبق خود رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے طریق کار سے بھی ملتا ہے ۔ اس نقطہ نظر کو ہر مسلم مصلح نے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے مثال کے طور پر علامہ اقبال کے چند اشعار پیش ہیں ۔ جو جفاکشی ، جدوجہد یقین محکم ، برابری ، انصاف پسندی اور ایمانداری کی تلقین کرتے ہیں ۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(۲)

جفاکشی اور جہد مسلسل

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

(۳)

کبوتر پر جھپٹنے میں جو مزہ ہے لے پسر
وہ مزہ شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

(۴)

کردار کی بلندی

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

(۵)

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

(۶)

صف جنگاہ میں مردان خدا کی تکبیر
جوش کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

(۷)

برابری

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

References

1.	1968	Cosmogony, Encyclopaedia Britinnica
2. Kuhn, W.	1956	Chem. Ber 89 : 303
3. Miller, S.L	1953	Science 117 : 528
4 Oparin, A.I.	1966	The Origin & Initial Development of Life. Meditsina, Publishing - House, Moscow.
5. Fox, S.W. and Weahneldt, T	1969	Sixth Fed. Eur, Biochem, Soc. Meeting. Madrid, Abstr. 0.145
6. Young, R.S	1965	In Fox, S.W. Ed. The Origins of Pre-biological Sys. Ac. Press N. York, p347
7. Barghoorn, E.S & Schopf, J.W	1966	Science 152 : 658
8. Hoering, T.C.	1962	Carnegie Inst. Wash. Year book 61:190
9. Calvin, M.	1969	In Chemical Evo. Part I. Clarendon Press, Oxford.
10. Hoering, T.		
10. Hoering, T.C.	1962	Carnegie Inst. Wash. Yearbook 61:190
11. Barghoorn, E.S. & Tyler, S.A.	1965	Science 147 : 563
12. Pflug, H.D.	1964	Ber oberhessische Geosellschaft
	1965	Palaeontol, Z. 39 : 10 Nature
	1966	Palaeontographica, 117 - 59
13. Khan, E.	1973	Evolution. Aljami'at, Urdu Weekly, Friday Edition.
14. Dudois, E	1894	Pithecanthopus erectueihemen schenabuliche nbergangsfarm ausjava Batavia.
15. Sahni, M.R. & Khan, E.	1 1864	Stratigraphy, structure & correlation of upper Sivaliks east of Chandigarh.

16. Everndon, J.F. etal 1964 Potassium, argon & cenozoicmammalian chronolog of N. America.
17. America Journ. Science. Vol. 262
17. Black, D 1929 Preliminary note on additional sinanthropus material discovered in Choukoutein. Bul. Geol Surv. China.
18. Weidenreich The mandibles of Sinanthropus pekinensis, a comparative study.
19. Vallows, H 1941 Nomenclature anthropologique Revue Scientifique
20. Khan, E 1968 Are mamals imigrant to India. Ann. Dept. Geol., M.U. Aligarh, Vol. 4
21. Schoetensack 1968 Der Unterkiefer des Homo-heidelbergensis ansden Sanden Von.
22. Virchew, Hans 1920 Die Menschlichen skeletreste. ansden kamf feschel brnch intravetni. Von. Ehringsdorf bei Weiner.
23. Khan, E. 1968 Pleistocene Stratigraphy of India. Ann. Deptt. Geol. M.U. Ali. Vol. 4
24. King, W. 1864 The reputed fossilman of Neanderthal. Quart. Jour. Sci. P. 6
25. Burkitt, M.C 1969 The Old Stone. Rupa & Co. P. 108, 109
26. Marston, A.T 1936 Nature
27. Vallois, H.V 1949 L'Origine de Homo sapiens Vo. 228
28. Clark, J.G.D 1936 The mesolithic Settlement of Northern Europe, Cambridge
29. Burkitt, M.C. 1926 Our Early Ancesters. Cambridge.
30, 31 & 32 Editors 1962 The epic of man. Life

سائنس اور اجتہاد

ڈاکٹر احسان اللہ خاں - ۱۹۷۶

اس کتاب میں سائنس کے ایسے اصول بیان کئے گئے ہیں جو ہر سماج پر منطبق ہوتے ہیں اس طرح ان اصولوں کی بنا پر کسی سماج کے ترقی یافتہ یا غیر ترقی یافتہ ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور جن سماجوں میں صدیوں سے جمود ہوتا ہے اس کی اچھی طرح نشاندہی کی جا سکتی ہے۔

اس میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں بھی کسی سائنس یا تاریخ کا تذکرہ کیا گیا ہے وہاں ان کو اپنی دعوت کی وضاحت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور بذات خود سائنس یا تاریخ کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے مگر ایسے بیانات میں قرآن میں لچکدار الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے ان بیانات کو مختلف زبانوں سے مختلف معنی کا جامہ پہنایا جاتا رہا ہے۔

اس میں اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ اجتہاد کا دروازہ تقریباً ایک ہزار سال سے بند ہونے کی بنا پر اسلامی سماج میں جمود پیدا ہو گیا ہے جس کی بنا پر مسلمان عام طور سے روایات سے چمٹا ہوا ہے اور جدید سائنس دور سے استفادہ حاصل کرنے سے جھجکتا ہے۔ اس کمزوری کو دور کرنے کی خاطر اجتہادی تحریک کی از سر نو زندہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور ہندوستان میں سر سید تحریک کے طرز پر نئی تحریک چلانی ہے جس کا مقصد فی الحال یہ بتایا گیا ہے کہ قدیم اور جدید اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کا ایک بلند پایہ گروہ تیار کیا جائے تاکہ یہ حضرات صحیح بنیاد پر اجتہاد کر کے مسلمانوں میں دوبارہ کارکردگی کا جوش پیدا کر سکیں۔ اور جدید دور سے کما حقہ استفادہ حاصل کر کے ترقی یافتہ قوموں کے قدم بہ قدم چل سکیں یا ان سے آگے گامزن ہو سکیں۔

سماج پر سائنس کے اثرات

ڈاکٹر احسان اللہ خان۔ ۱۹۷۹

اس میں سائنسی شواہد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قدرتی اور سماجی ماحول کا اثر کافی دوررس ہوتا ہے مثلاً یہ کہ کشمیر میں ناریل کبھی پیدا نہیں کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح بنگال اور کیرلہ کے گرم و مرطوب علاقوں میں سیب پیدا نہیں ہو سکتا ہے۔ جانوروں کے معاملے میں اسکا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ گرم و مرطوب علاقے کے جانور کمزور ہوتے ہیں جبکہ سرد و خشک علاقے کے جانور فربہ و مضبوط ہوتے ہیں اسکا تجزیہ اس طرح کیا گیا کہ جوڑواں کے ایک فرد کو پیدائش ہی سے فیجی جزیرہ (گرم و مرطوب) میں رکھا گیا اور دوسرے کو آسٹریلیا (سرد و خشک) میں رکھا گیا اور جوانی تک دونوں کو ایک طرح کی نگہداشت اور خوراک مہیا کی گئی مگر جوانی کے وقت دونوں کے وزن اور طاقت میں کافی فرق نمایاں تھا اس طرح یہ ثابت کر دیا گیا کہ قدرتی ماحول پودوں اور جانوروں پر کافی اثرانداز ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا اصول کو سامنے رکھتے ہوئے تین موجودہ سماجی ڈھانچوں سرمایہ داری۔ اشتراکی اور اسلامی کا تقابل مختلف میدانِ زندگی میں پیش کیا گیا جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مذکورہ دونوں سماج اسلامی سماج کے مقابلے میں اسوقت کیوں زیادہ مقبول اور کامیاب ہیں۔

سائنس اور مذہب

ڈاکٹر احسان اللہ خان - ۱۹۸۱

اس میں ہندوازم عیسائیت اور اسلام کے تقابلی مطالعے کے طور پر ان مذاہب کے مختلف عناصر پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ ان مذاہب میں خدا - آخرت اور رسالت کے معاملے میں اتفاق ہے اور ان میں اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ایمانداری - انصاف پسندی اور جفاکشی مذہب کے بنیادی عملی اصول ہیں مگر ان میں ان کی شریعتوں میں اختلاف ہے وہ اس بنا پر کہ ایک شریعت ایک مخصوص علاقے میں ایک مخصوص زمانے کیلئے آتی ہے اور زمانے اور علاقے کی اختلاف کی بنا پر اس کو من وعن لاگو نہیں کیا جا سکتا ہے اسی لئے ہر مذہب میں اجتہاد کو خاص اہمیت دی گئی ہے تاکہ زمانے اور علاقے کی اختلاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقہی مسائل طے کئے جائیں لیکن عملاً یہ کسی مذہب میں زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا جس کے نتیجے میں اس میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے اور یہی آخری شکل انکی دائمی شریعت بن کر رہ جاتی ہے جو ان مذاہب کی اختلاف کی وجہ ہے -

اس کے علاوہ اس میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ ان کی مذہبی کتابوں میں جو سائنسی بیانات آئے ہیں وہ اس طرح بیان کئے گئے ہیں جو ان کے دور میں عام تھے مگر ان کے پیروؤں نے ان بیانات کو مختلف زمانوں میں ان کی ایسی تفسیریں کیں کہ ان کو زمانے کے مطابق کر دیا لیکن یہ کوشش زیادہ کامیاب نہ ہو سکی لہذا عیسائیوں کی ایسی کوشش کو ڈارون کے سائنسی مشاہدے نے ختم کر دیا اور ہندوازم میں سوامی دیانند کی کوشش زیادہ مقبول نہ ہو سکی اور جدید دور میں موریس نے قرآنی آیات کے سائنسی بیانات کو جدید رنگ دینے کی کوشش کی ہے جو مسلم سائنسدانوں کے حلقوں میں اچھی نظر سے نہیں دیکھی جا رہی ہے کیونکہ اس سے مسلم حلقوں میں سائنسی طرز تحقیق کو اپنانے میں جھجک پیدا ہو گی جو مسلمانوں کی ترقی کے لئے از حد مضر ہے -